صابری سلسلہ

مرتبہ

وحید احمد مسعود
شیخوپور بدایوں

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

جولائی ۱۹۷۱ء

عنقریب

کمال صابر کلیری شائع ہوگی

اور

سوانح بابا فرید الدین گنجشکر رح

اور

سوانح خواجہ معین الدین اجمیری رح

یہ دونوں بڑی تحقیق کے ساتھ نئے طرز میں لکھی گئی ہیں

اب ان کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا جائے گا

شائقین ابھی سے ان کے متعلق اپنی فرمائشیں مصنف کو نوٹ کروادیں

وحید احمد مسعود شیخوپور بدایوں

۷۸۶

سلسلہ صابری

مرتبہ

وحید احمد مسعود

شیخوپور ضلع بدایوں

کتاب ملنے کا پتہ

بار اول ۵۰۰ جلد | قیمت ۸؍

نظامی بک ایجنسی بدایوں یو.پی

مصنف کی دیگر تصانیف

۱۔ منصوری	کوہ منصوری کی سیر	ظریفانہ
۲۔ تصوف	عام فہم شرح	
۳۔ نشہ کا اتار	ڈرامہ متعلق نشہ بندی	
۴۔ تصوف کی اصلیت	مزید شرح	
۵۔ گرد راہ	سیاسی و ادبی مضامین	
۶۔ سوانح خواجہ معین الدینؒ		
۷۔ سوانح بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ		
۸۔ اسلام مشرق میں	تاریخی حالات	
۹۔ محبت کی بلندیاں	اسلامی تاریخ کا سچا ڈرامہ	
۱۰۔ جمال صابر کلیریؒ	مختصر حالات	
۱۱۔ سید احمد شہید رائے بریلوی کی صحیح تصویر		
۱۲۔ آنریری مجسٹریٹ	ظریفانہ	

۷۸۶

التماس

آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

عرض یہ ہے کہ حضرت سیدنا مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم و جدید جتنے بھی تذکرے ہیں وہ سب بے سروپا ہیں۔ اور ان جیسی عظمت مآب و جلیل القدر بزرگ کے قطعی شایانِ شان نہیں ہیں، میں نے اپنے اس احساس و خیال کو چند بزرگوں کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کی تائید و تصدیق کی مگر خامیوں کو صحیح کرنے کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ آخر کار چار و ناچار، باوجود اپنی بے بضاعتی و نا اہلیت کے مجھ ہی کو جسارت کرنا پڑی میں اپنی اس جرأت پر خود حیران ہوں مگر بفضل ایزدی حضرت مخدوم پاک رح کا نیا تذکرہ "کمال صابر" آئینِ طریقت کے مدنظر اور تاریخ کی تطبیق کے سامنے تیار کرلیا ہے۔ اسکی اشاعت

انشاء اللہ اپنے وقت پر ہو سکے گی۔ اس کا ایک باب نمبر ۶ "پیر کلیر کے تذکرے" کی سرخی سے کراچی کے سہ ماہی رسالہ بصائر کے جنوری تا اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہو کر قبولیت حاصل کر چکا ہے اس میں ان تذکروں کی روایتوں کی بے سروپائی ثابت کی گئی ہے۔ اب ثمر پیش رس کے طور پر ایک اور باب نمبر ۸ اس رسالہ کی صورت میں حاضر ہے۔ اربابِ دانش اور اہلِ نظر حضرات ممکن ہے کہ پسند فرمائیں۔ حق پرست معتقدین سے مجھے اُمید ہے کہ اس کو میری عقلیت پسندی پر محمول نہیں فرمائیں گے۔ میری یہ کوشش اگر دو بارِ صابری میں قبول ہوئی تو سمجھوں گا کہ کارے کردم۔ ورنہ نیت بخیر ہونے کی وجہ سے میرا عذر یہی ہو سکتا ہے کہ خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم۔ سبحان اللہ بحمدہٖ

غلام غلامانِ آلِ محمدؐ
وحید احمد مسعود (قطبی و صابری)
شیخوپور بداؤں

۷۸۶

حق حق حق

صابری سلسلہ

ایں خانہ تمام آفتاب است

بعض معاندین کا گمان ہے کہ جس کو صابری سلسلہ کہا جاتا ہے وہ شمسی سلسلہ ہے۔ مگر یہ قطعی غلط ہے۔ نہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح نے کبھی ایسا دعویٰ کیا اور نہ انکے متبعین نے اس قسم کا کہیں اعلان کیا۔ حضرت ترک رح حضرت مخدوم پاک رح کے تنہا اور واحد خلیفہ تھے۔ اور وہ اپنے شیخ کی ہو بہو تصویر تھے۔ استغراق کی وجہ سے وہ کبھی دنیا سے بے نیاز رہے۔ اور اسی کیفیت میں انہوں نے صابری سلسلہ کی اشاعت بھی کی۔ سوانح نویسیوں کا عجیب مذاق ہے کہ صابری سلسلہ و تعلیم کا تعارف کرانے کے بجائے حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے قلم کو قصص عجیبہ حکایات غریبہ اور نوادر و امثال کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ یہ ذہنیت انہوں نے غیر اسلامی عقیدوں۔ قدیم حکایتوں اور اسرائیلی روایتوں سے اخذ کی ہے حضرت مخدوم پاک رح کا قیام کلیر میں ۶۴۶ / ۱۲۴۸/۴۹ سے ۶۷۹ / ۱۲۸۱ تک تینتیس سال رہا ہے وہاں انہوں نے اس مدت

ولایت و خلافت دونوں کے فرائض اپنے مخصوص طرز میں ادا کئے۔ ولایت کے انتظام باطنی ہوتے ہیں جن کے متعلق اہل ظاہر کو کچھ علم نہیں ہوا کرتا۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ صاحبِ ولایت کا انتخاب کس طرح ہوتا ہے۔ مگر صاحب ولایت کے برخلاف خلیفہ کا فرض تبلیغ و اشاعت سلسلہ کے متعلق ظاہری ہوتا ہے۔ جن خلفاء کو ولایت کا درجہ نہیں ہوتا ممکن ہے کہ وہ روحانی طور پر صاحبانِ ولایت سے کچھ معلومات حاصل کرتے ہوں۔ خلیفہ سلسلہ و تعلیم کے قیام و ترقی کا انتظام اپنے ماحول و زمانہ کے لحاظ سے کیا کرتا ہے ۶۷۹ھ / ۱۲۸۱ء کے بعد حضرت ترک پانی پتی رح نے پچیس سال اور ان کے خلیفہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء نے اُنچاس برس فرائض خلافت اپنے مخصوص طرز سے ادا کئے۔ پھر کبیر الاولیاء کے خلیفہ حضرت شیخ العالم احمد عبدالحق ردولوی رح نے ۷۶۵ھ / ۶۴-۱۳۶۳ء سے ۸۳۶ھ / ۳۳-۱۴۳۲ء تک ردولی کو مرکز بنا کر نئی شان سے سلسلہ کی خدمت و توسیع کی۔ ان بزرگوں کی عظمت کرامتوں سے اس قدر ظاہر نہیں ہوئی جس قدر ان کے عملی کارناموں سے اس کا اظہار ہوا۔ محض کرامتیں ہی بزرگی کا معیار نہیں ہیں۔ دراصل ان حضرات کے کارناموں کو ان کے عہد و زمانہ کی روشنی میں ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے کمالات کی عظمت و وقعت کے متعلق صحیح رائے قائم کی جاسکے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے لکھا ہے کہ عہد تغلق میں علمی معیار گر گئے تھے۔ لیکن حالات مظہر ہیں کہ اس عہد میں

نامی گرامی علماء موجود تھے۔ ان ہی میں حضرت شہاب الدین مہمرہ اور ان کے شاگرد وخلیفہ حضرت ضیاء الدین نخشبی بھی تھے۔ فیروز شاہ کے مدرسہ کا مشرق کی اعلیٰ درس گاہوں میں شمار تھا۔ مگر بایں ہمہ حالات اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ ترقی کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ فیروز شاہ نے خود بھی اس حقیقت کا اعتراف واعلان کیا ہے۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ فیروز تغلق (سنہ ۷۹۰ / ۱۳۸۸) کے وقت سے بابر کی آمد (سنہ ۹۲۹ھ) تک زمانہ پُر آشوب تھا۔ اقدار و معیار بدل گئے تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تغیر و انحطاط واقع ہو گیا تھا۔ اور مذہبی عقائد میں عجیب ابتذال نمایاں ہوا تھا۔ رسوائی و ذلت کے اس تلاطم میں نہ علماء و مشائخ بچ سکے اور نہ عبّاد و زُہاد۔ فیروز شاہ کے عہد میں اباحتی فرقے نمودار ہوئے۔ احمد بہاری نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ بھگتی تحریک نے سر نکالا۔ تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ پھر بودھن برہمن نے اعلان کیا کہ ہندو مذہب اور اسلام دونوں ایک ہیں۔ جب اسلام قبول کرنے کے لئے اس سے کہا گیا تو جان دے دی مگر ہندو مذہب پر قائم رہا۔ اس عہد میں ارتداد کا زور تھا مسلمان ذوق و شوق سے ہندو مذہب اختیار کر رہے تھے۔ اس فضا میں نظامی و سہروردی دونوں انگشت بدنداں تھے اور صابری اپنی محویت میں مست و سرشار تھے آخر کار نظامی شمالی ہند کی زبوں حالی سے بیزار ہو کر تبلیغ واشاعت کے لئے مالوہ۔ دکن۔ گجرات اور بنگال کو چلے گئے۔ ناصر الدین محمود شاہ تغلق (سنہ ۷۹۶–۸۰۰ / ۱۳۹۳–۱۳۹۷) کے آخری عہد میں تیموری حملوں کی تباہ کاریوں سے

سماجی زندگی مزید منتشر ہوئی اور رہے سہے تو اس جاتے رہے۔ پنجاب میں جب
ابتری پھیلی تو سہروردیوں نے نظامیوں کی خالی کردہ خانقاہوں پر قبضہ جما کر
اپنا سیاسی اقتدار بڑھایا۔ ایسی ہی جملہ خرابیاں ۸۱۶ھ/۱۴۱۳/۱۴ء میں سلطنت تغلق
کی بربادی کا باعث ہوئیں اسی شور و شغب میں دو برس کے بعد ۸۱۷ھ/۱۴۱۵ء میں ملتان
کے ناظم خضر خان نے حکومت سادات کی طرح ڈالی۔ سیدوں کی یہ سلطنت محدود و
مختصر تھی۔ دہلی کے گرد و نواح میں امیروں نے اپنی اپنی ریاستیں بنالی تھیں۔ ان کی سرکشیوں
سے تنگ آکر سادات کے چوتھے فرماں روا سید علاء الدین نے تخت سے دستبردار
ہو کر بدایوں میں پناہ لی۔ اسی موقع پر ۸۵۴ھ/۱۴۵۰/۵۱ء میں لاہور کے گورنر بہلول لودی نے
(متوفی ۸۹۴ھ/۱۴۸۸/۸۹ء) نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ لودی خاندان
۹۲۹ھ/۱۵۲۲/۲۳ء تک برسر اقتدار رہا۔ اسی سال ۹۲۹ھ میں بابر نے ابراہیم لودی (متوفی
۹۳۲ھ/۱۵۲۶/۲۶ء) کو میدان پانی پت میں شکست دیکر مغلیہ سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا۔ تیمور اور
بابر کے حملوں کے درمیان سکندر لودی ۸۹۴/۹۲۳ھ/۱۴۸۸/۱۵۱۷ء نے بڑی قابلیت سے
سلطنت کا انتظام کیا علماء کو دور دور سے بلا کر اجڑی ہوئی بزم کو از سر نو رونق
دینے کی کوشش کی۔ اس کے عہد میں سب سے پہلے معقولات کی ترویج ہوئی مگر
ذہنی انحطاط اپنی جگہ باقی رہا اور مذہب کی گت بنی سکندر لودی کے عہد میں دو
بھائی شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ساکنان ملتان، دہلی میں آئے تھے۔ ان دونوں
کے استاد سماع الدین تھے جو میر شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔ سماع الدین نے
دہلی سے منتقل ہو کر قصبہ رملاقہ جے پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سکندر لودی
نے تعلیم و تبلیغ کے لئے شیخ عبداللہ کو دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ کو سنبھل میں متعین

کیا تھا۔ اس زمانہ میں صابریوں کی باطنی وقلبی تعلیم حسب معمول چلتی رہی۔ نظامیوں کے چلے جانے کے باعث شمالی ہند بظاہر چشتی تعلیم سے محروم ہو گیا تھا۔ ظاہری علوم کی ترویج اقتصادی بدحالی اور آئے دن کے مصائب مذہب سے بے اعتنائی کا باعث ہوئے ایسی حالت میں حضرت شیخ العالم احمد عبد الحق ردولوی نے ضروری سمجھا کہ خلوت سے نکل کر جلوت کو رونق بخشیں اور صابری تعلیم کی ظاہری طور پر تبلیغ فرمائیں۔ اس طرح انھوں نے حال سے ساتھ قال کو بھی شامل کر دیا۔ صابری خلفاء میں وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ردولی میں پہلی مرتبہ صابری خانقاہ بنائی۔ زبردست لنگر جاری کیا۔ اور حضرت غریب نواز رح اور حضرت بابا فرید گنجشکر رح کے اصول پر پہلے شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کی پھر طریقت کے اصول سکھائے۔ اس طرح ظاہری و باطنی طور پر حق کی اشاعت کر کے صابری سلسلہ کو مقبول بنایا۔ چونکہ انھوں نے سلسلہ کی تعلیم وتبلیغ میں تجدید فرمائی ہے۔ لہذا صابری سلسلہ کے مجدد در اصل وہی ہیں۔ ان کے مرشد حضرت شمس الاولیاء رح کی زبان پر اسم "حق" جاری تھا۔ انہوں نے ہی شیخ العالم ردولوی رح کا نام "عبد الحق" رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں "حق" اسم اعظم بن گیا۔ ان کے حلقہ والے اب بھی اسی اسم کا ورد کیا کرتے ہیں۔ اور مدور شکل میں قلب صنوبری[1] کی لوح پر اس کا نقش بناتے ہیں۔ حق کی تعریف یہی ہے کہ ثابت و قائم رہے۔ اسم حق

---

[1] قلب صنوبری بائیں طرف پستان سے دو انگل نیچے ہے

اصل شیخ عبدالحق رح کی تعلیم کا عطر و خلاصہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق اپنے مختلف رنگوں میں ہر جگہ جلوہ افروز ہے۔ اس کے ماسواء سب باطل و فانی ہے جس نے حق کو سمجھ لیا وہ دلائل و براہین کو پائے چوبیں سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ اس کے سامنے علم معقول شرمندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظن و تخمین کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب کہ حق نظر سے اوجھل ہو، صوفی جانتے ہیں کہ مجاہدہ بغیر مشاہدہ کے فعل عبث ہے۔ یہ ورد و ظائف اور اشغال و تصور حصولِ حق کے ذرائع ہیں ان کو حاصل نہیں سمجھنا چاہیئے۔ مشاہدہ حضور قلب سے حاصل ہوتا ہے اور مشاہدہ سے ہی حق تک رسائی ہوتی ہے جس کے قلبِ صنوبری میں حق جاگزیں ہو وہی حق کو پا بھی سکتا ہے۔ وصول حق کا ایک طریقہ نفی بھی ہے۔ باطل کی نفی کرنے سے حق مل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے چشتی و صابری پہلے اپنے نفس کی نفی کرتے ہیں۔ ہواوہوس سے دستبردار ہو کر نفس کو مہذب بنا لیتے ہیں۔ بے لوثی کے ساتھ برابر سعی کرتے ہیں اور اپنے اپنے طور پر معاشرے کی اصلاح میں سرگرم رہتے ہیں۔ اب جو حضرت مخدوم پاک رح کو سمجھنا چاہے وہ قیاس و حجت سے کام نہ لے۔ وہ توہمات کی نفی کرے اس کے بعد ان کی صورت نظر آجائے گی صورتے از بے صورتی آید پدید۔ بہر حال حضرت احمد عبدالحق کی پوری تعلیم لفظ 'حق' میں بند ہے۔ اسی تعلیم کو تقویت پہ وہ گمراہ درویشوں اور غافل دولتمندوں کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ درویشوں کی اصلاح کے متعلق بعض لوگوں نے اپنی فہم و فراست سے یہ سمجھا کہ وہ درویشوں کی نسبتیں سلب کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اقتباس الانوار کے صفحہ ۲۱۳ پر یہی معنی بتائے گئے ہیں

مگر یہ صحیح نہیں۔ دولتمندوں کو راہ راست پر لانے کے ثبوت میں لودی بادشاہوں، بابر اور دیگر امراء کے نام ان کے خط پیش کئے جا سکتے ہیں، بعض رؤساء سمجھتے تھے کہ وہ ان سے دنیا ترک کروا دیں گے۔ لہٰذا ان سے گریز کرتے تھے چشتیہ سلسلہ میں امیروں سے ربط رکھنا بھی انہی کی جدت ہے جو اس زمانہ و ماحول کا تقاضا تھا۔

عام طور پر مشہور ہے کہ حاجتمند ایک سیر آٹے کی روٹی دودھ اور گھی میں پکا کر بطور نذر کے لاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شیخ العالم رح کی دعا سے انکی مرادیں حق تعالےٰ پوری کر دیتا تھا۔ اس کا نام "توشہ" ہے۔ توشے کی روٹی سوائے اپنی اولاد اور مریدوں کے کسی اور کو نہیں دیتے تھے۔ مگر حضرت عارف رح نے اس کی تقسیم عام کر دی تھی۔ اس رسم توشہ کی بناء یوں پڑی کہ جب حضرت رح کے محبوب مرید حضرت بختیار رح کو سفر سے واپسی میں زیادہ دیر ہو جاتی تو ان کی بیوی اس قسم کی روٹی پیش کر کے ان کی واپسی کے لئے دعا کی التجا کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت بختیار رح کو واپسی میں زیادہ دیر ہوئی تو اُن کی بیوی نے دعا کی التجا کی۔ فرمایا "روٹی لاؤ" عرض کیا کہ آج آٹا نہیں ہے۔ ارشاد ہوا "تو بختیار بھی نہیں ہے" چنانچہ اثناء راہ میں حضرت بختیار رح کا وصال ہو گیا اور وہیں کسی جگہ دفن کر دیئے گئے۔ اب وہ "پیر غیب" کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا روٹ پکا کر منت بھی مانی جاتی ہے[۱]

---

[۱] کلیر شریف میں نہر کے پار ایک صاحب مزار "پیر غیب" کے نام سے مشہور ہیں مگر یہ بزرگ حضرت بختیار رح سے بہت پہلے کے ہیں۔

حضرت شیخ العالم توشہ ردولوی رح کا وصال مبارک شاہ کے
عہد میں ۸۳۷ھ/۱۴۳۳/۳۴ میں ہوا۔ ان کے صاحبزادے حضرت شیخ عارف رح
(متوفی ۸۸۲ھ/۱۴۷۷) ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے اور شیخ عارف رح
کے خلیفہ ان کے صاحبزادے شیخ محمد رح (متوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۲/۹۳) قرار پائے۔
ان دونوں بزرگوں نے شیخ العالم کے طرزِ تعلیم و اصول کی بڑی خوبی سے
اشاعت کی یعنی مریدوں کو شریعت پر مستحکم کر کے راہ طریقت دکھائی۔
حضرت عارف رح کے اخلاق کریمانہ کا ہر شخص معترف تھا اور ہر ایک
یہی سمجھتا تھا کہ وہی ان کا منظور نظر ہے۔ اخلاق کریمانہ ہزاروں کرامتوں
کی ایک کرامت ہے اور اصل میں تصوف نام ہی اخلاق کا ہے۔ بہلول
لودی (متوفی ۸۹۴ھ/۱۴۸۸/۸۹) نے ہر چند چاہا کہ جس طرح داد و دہش سے
سہروردیوں کو رام کر لیا ہے۔ اسی طرح حضرت عارف رح کو بھی اپنا مطیع بنا
مگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کے متعلق شیخ عبدالحق محدث
دہلوی رح نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ "اگرچہ دست بیعت از شیخ
محمد رح کردہ و لے معتقد و عاشق شیخ احمد عبدالحق رح است" زبدۃ المقامات
میں ان کا تعارف اس طرح کیا گیا ہے کہ "شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ از
شیوخ مشہورہٗ ہندوستان است و از کبار ایشاں از فرزندان شیخ صفی الدین
الست شیخ کہ در اصول و فروع علوم از فحول متحققین بود، صاحب تصنیف
مشہورہ۔ شکر و شورش قوی داشت و وجد و سماع کثیر۔ با وجود کثرت

جذبات و توقیر غلبات در اتباع سنت سنیہ بغایت متعین بود و در التزام عظائم امورِ دینیہ سخت متمکن" اُن کے متعلق ملائے بدایونی کی رائے ہے کہ "مناقب و کمالات وے از شرح و بیان مستغنی"۔ سر ڈاکٹر اقبال نے ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے ایک مقولہ کی داد دی ہے لکھتے ہیں کہ "صوفیانہ ادب کے سارے سرمایہ میں شاید ہی کوئی ایسی مثال مل سکے جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت و ولایت کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف و واضح طریقہ پر بیان کیا گیا ہو [1] اور وہ مقولہ یہ ہے "محمد مصطفیٰ ؐ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید۔ واللہ ما باز نہ گردیم"۔ [2] مگر ان سب صاحبان کے خلاف لاہور یونیورسٹی کے پروفیسر تاریخ جناب محمد اسلم صاحب نے اپنی تازہ تصنیف "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" میں حضرت عبدالقدوس کے عقائد وحدت الوجود وغیرہ کی مخالفت کرتے ہوئے نہ صرف حضرت گنگوہی کے ایک مقولہ پر اعتراض کیا ہے بلکہ صابری سلسلہ کے نام پر بھی بٹہ لگایا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اکبری دین الٰہی کے پس منظر کی بنا ملا عبدالقادر بدایونی پر رکھی ہے جس کی تاریخی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ ملا صاحب کی صوفی مقالی تسلیم مگر ان کا نقطۂ نظر محدود تھا۔ اس میں اسلامی جامعیت و

---

[1] اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید۔ "ڈاکٹر اقبال کے خطبات صفحہ ۱۸۲

[2] لطائف قدوسی صفحہ ۸۵ لطیفہ ۷۹

وسعت نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے اپنے ذاتی معیار کو مدنظر رکھا ہے اور اکبر کے نظریہ کو سمجھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مغل ہر زمانہ میں باوجود مسلمان ہو جانے کے اپنے قومی رسم و رواج کے پابند رہے ہیں۔ اکبر مغل تھا۔ چنگیز خاں کی طرح بے پڑھا لکھا تھا مگر بہادری ذہانت و فراست میں اس کی مانند تھا۔ دونوں کے فتوحات اور طرز حکومت میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ چنگیز کا نظریہ یہ تھا کہ جس طرح آسمان کا اکیلا حکمراں آفتاب ہے اسی طرح زمین کا حاکم بھی ایک ہی ہونا چاہیئے [۱]
اکبر مسلمان تھا اور اس کے ابتدائی حالات سے ظاہر ہے کہ پابند مذہب تھا۔ اور مذہب کے سمجھنے کا شوق بھی رکھتا تھا۔ اسی غرض سے اُس نے عبادت خانہ کا اجراء بھی کیا تھا۔ مگر علماء اسلام کی تنگ نظریوں اور نفسانیت سے مایوس و بیزار ہو کر فتح گجرات کے بعد مذہبی تحقیق کے سلسلہ میں سب سے پہلے پارسیوں، پھر ممبر وار پرتگال کے عیسائیوں جینیوں اور برہمنوں سے تعلقات پیدا کئے اور ہر ایک سے کچھ اصول اخذ کئے جن سے اس کے مغلئی رسم و رواج کی تائید ہوتی تھی۔ ابوالفضل، فیضی بیربل اور ٹوڈرمل اسکے استاد و رہنما نہیں تھے۔ علمائے اسلام کو صحیح راہ دکھانے کے اگرچہ مواقع حاصل تھے مگر وہ اپنی عنانیت و بے شعوری کیوجہ سے اسکی تسکین نہیں کر سکے پھر اپنی ناکا

---

[۱] اکبر کے اس مغلئی نظریہ کو مان لینے کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بیربل نے اکبر کو آفتاب پرستی کی طرف مائل کیا تھا۔ بلکہ شہ دی تھی۔

دیہ نجی پر انہوں نے اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑنا شروع کر دیئے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اکبری دینِ الٰہی کا پس منظر وہ نہیں ہو سکتا جس کا نقشہ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے کھینچا ہے۔ بہرحال پروفیسر صاحب نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کے جس مقولہ کو مہمل قرار دیا ہے وہ یہ ہے "ایں چہ شور است وایں چہ غوغا کشادہ، کسے مومن۔ کسے کافر کسے مطیع کسے عاصی۔ کسے در راہ کسے بے راہ، کسے مسلم کسے پارسا۔ کسے ملحد کسے ترسا ہمہ دریک سلک اند[1] اسی مقولہ کی بسلسلہ تذکرہ حاجی امداد اللہ رح نے تائید و تشریح کی ہے کسی شخص نے ان سے بیان کیا کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ تمام آدمی۔ کیا مشرک کیا کافر کیا مومن۔ سب کی خدا تک رسائی ہے۔ اسلام شرط نہیں ہے فرمایا کہ یہ بزرگ باوجود کمال کے سیرِ اسماء میں تھے۔ البتہ مرتبہ حقائق میں یہ درست ہے کہ مرجع تمام خلائق کا اللہ جل شانہٗ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[2] پر کفایت نہیں کی اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی قید لگا دی مرتبہ حقائق میں تمام آدمی متساوی الاقدام ہیں[3] پروفیسر صاحب مندرجہ بالا آیت۔ سورہ یونس کی آیات نمبر ۱۹ و ۴۲، اور سورہ بنی اسرائیل

---

[1] مکتوبات قدوسی صفحہ ۵۵ [2] سورہ ھود ایت نمبر ۵۶

[3] امداد المشتاق صفحہ ۸۴ نمبر ۲۰

کی آیت نمبر ۴۴ پڑھیں تو اعتراض کا محل ختم ہو جاتا ہے۔ نہ ہر جائے مرکب توان تاختن۔ حق تو یہ ہے کہ اس مقولہ سے حضرت شیخ کی علویت ثابت ہو جاتی ہے، اور اعتراض مہمل ٹھہرتا ہے۔

شیخ العالم کے وصال سے ۳۳ سال بعد حضرت عبدالقدوس رح ردولی میں پیدا ہوئے تھے۔ؔ اور اپنے والد شیخ اسمٰعیل سے ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ جب وہ بارہ برس کے تھے تو حضرت عارف رح کا وصال ۸۹۲ / ۱۴۸۷ء میں ہوا تھا۔ شیخ عبدالقدوس رح نے باطنی طور پر شیخ العالم کی روح سے فیض پہلے حاصل کیا۔ اور بعد میں حضرت شیخ محمد رح سے ظاہری بیعت کی اور خلافت پائی۔ خود لکھا ہے کہ شیخ العالم کے وصال کے چالیس سال بعد پندرہ برس کی عمر میں ان سے روحانی صورت سے فیض حاصل کیا تھا یعنی ۸۸۵ / ۸۱-۱۴۸۰ء میں۔ ان کی شادی حضرت عارف رح کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ بہلول لودی کے عہد میں جب ردولی کے حالات بگڑے تو وہ ۸۹۵ / ۹۰-۱۴۸۹ء میں شاہ آباد ضلع انبالہ چلے گئے وہاں سے ۳۸ سال سلسلہ کی اشاعت کی۔ ابراہیم لودی کے مختصر دور حکومت میں ابتری پیدا ہوئی۔ سلطان اور امراء میں بیحد اختلاف نمایاں ہوئے۔ حضرت شیخ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ شیخ العالم کے طرز اصول پر سترہویں لباس میں طریقت کو بہ حسن و خوبی پیش کرکے سلسلہ کی توسیع کی اور ہر

سلہ عبدالقدوس کی تعلیمات مصنفہ اعجاز الحق قدوسی ص ۱۶۸ و ط ۲۹

حال میں پابندیٔ شریعت کی تاکید فرمائی۔ سلاطینِ وقت کی اصلاح کے لئے انھیں خطوط لکھے۔ اگرچہ وہ عالم و فاضل نہیں تھے مگر صاحب تصنیف تھے۔ ابن عربی کی فصوص الحکم پر حاشیہ لکھا۔ وحدت الوجود کی تشریح کی۔ فارسی و ہندی میں اشعار کہے۔ سماع کا بیحد شوق تھا اکثر محویت طاری رہتی تھی۔ ایک مرتبہ محویت میں اپنا چھپرتک اُتار پھینکا تھا[۱] ابتداء میں سُکر کا اس قدر غلبہ ہوا کہ دشت و بیابان میں رہنے لگے مگر مشائخ نے انھیں باز رکھا تاکہ بستی میں رہ کر مخلوق کو فیض پہنچائیں۔ ان کے سماع و محویت پر احتساب کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے شیخ حسام الدین المشتہر بہ اوجھر بھیجے گئے تھے۔ جب وہ گنگوہ آئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ اپنا گل اسباب لٹا کر ان کے مرید ہو گئے۔ یہ سنکر سکندر لودی بھی ان کا معتقد ہو گیا تھا[۲] اس زمانہ میں عجائب پرستی کا زور تھا۔ معقولات کی وجہ سے توحید کی نئی نئی تعبیریں کی جاتی تھیں۔ لہٰذا شیخ گنگوہی رح نے وحدت الوجود کی صحیح تعلیم کے ذریعہ اصلاح کی اور بجائے ورد و وظائف کی مزاولت کے روحانیت کے اصول سکھائے اس طرح سلسلۂ صابری کی مقبولیت دیکھ کر حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اعتراضوں کی بوچھار ہونے لگی / شاہ آباد سے منتقل ہو کر جب

۱؎ لطائف قدوسی صفحہ ۳۲ ۲؎ تکملہ لطائف قدوسی صفحہ ۱۰۹/۱۰۸

انھوں نے گنگوہ میں سکونت اختیار کی [1] تو مخدوم پاک رح کا مزار پختہ بنوایا۔ اور عرس کی ابتداء کی صابری تعلیم کو جب کھلے بندوں شیخ العالم نے جاری کیا تو دیگر سلاسل کی طرح یہاں بھی مجاہدات وغیرہ کی مشق کرائی جانے لگی مگر اس فرق کے ساتھ کہ باطنی توجہ کو مؤخر کر دیا گیا۔ شیخ گنگوہی رح نے ہزاروں کو مرید کیا اور سیکڑوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فراوانیٔ جذبات میں ان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے تھے جو ناقابل فہم اور قابل اعتراض ہوتے تھے۔ ایسے کلمات کو "شطحیات" کہا جاتا ہے اور ان کی گرفت نہیں کی جاتی ہے۔ ان کا وصال شیر شاہ کی فتح دہلی سے تین چار سال پہلے ہمایوں کے اولین عہد میں ہوا۔ سال وصال $\frac{۱۹۴۴}{۱۵۳۷/۳۵}$ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مقولہ حضرت عبد القدوس رح کا ہے کہ "من این سلسلہ را رنگ دیگر دادہ ام" صاحب اقتباس الانوار مولانا محمد اکرم نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ انھوں نے جلال وجمال میں اعتدال پیدا کیا تھا لیکن یہ مقولہ نہ شیخ گنگوہی کا ہو سکتا ہے اور نہ وہ ایسا دعوی کر سکتے تھے۔ لہٰذا جو تشریح کی گئی ہے وہ بھی غلط ہو گئی۔ جلال وجمال میں اعتدال پیدا کرنا اسلام کی خصوصیت ہے اس کو کسی ولی کی جدت نہیں سمجھا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صابری سلسلہ کی تجدید کا سہرا شیخ العالم

---

[1] اس آخری سکونت گنگوہ کی مدت دس سال کے قریب ہے۔

حضرت احمد عبد الحق رح کے سر ہے اس سے کسی کو بھی انکار و انحراف نہیں ہو سکتا۔ اگر "رنگ دیگر" کو شیخ عبد القدوس گنگوہی رح سے منسوب کرنا ہی ہے تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے امراء سے تعلقات رکھنے میں مبالغہ کیا اور وحدت الوجود کی علانیہ اشاعت کی۔ ان کے امراء سے روابط پر اعتراض کئے گئے تھے چنانچہ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں اس کی تردید میں پوری قابلیت صرف کردی ہے۔ مگر صرف اتنا لکھنا کافی ہو سکتا تھا کہ روساء سے تعلقات باتباع شیخ العالم کئے گئے تھے۔ چونکہ امراء صاحبانِ اثر ہوتے ہیں اور معاشرے میں انھیں مقام حاصل ہوتا ہے لہٰذا اصلاح معاشرے کے لئے یہ تعلقات ضروری تھے اس وجہ سے وہ سیاست میں حصہ لینے کے لئے مجبور تھے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ شیخ گنگوہی رح اپنی ابتدائی زندگی سیاست و سلطان سے دور رہتے تھے۔ اسی غرض سے سکندر لودی و بابر کو بذریعہ خطوط ہدایات کی ہیں لیکن زمانہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اکثر امراء نے ان تعلقات سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کی کج فہمیوں کا جو نتیجہ ہونا تھا وہی ہوا بھی۔ یعنی انھیں عزت و دولت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

پہلے وحدت الوجود کی تعلیم خواص کو دی جاتی تھی اور وہ بھی صیغہ راز میں / عوام میں اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں تھی جب شیخ عبد القدوس رح نے اس کو عام کر دیا تو مغالطے پیدا ہو گئے نفس پرستوں نے اس کے غلط معنی لیکر مجذوبیت اختیار کی۔ یہ بدقسمتی

معاذ اللہ کبھی خدا بنے کبھی نبوّت کے مدعی ہوئے اور وہ ثواب سمجھ کر علانیہ افعال شنیعہ کرنے لگے۔ ان ہی بدعنوانیوں کی وجہ سے وحدت الوجود کی بدنامی ہوئی اور ان ہی لوگوں کی غلط روی کے باعث ابوالفضل و فیضی نے اکبری الحاد کو تقویت پہنچائی۔ جن بدنصیبوں نے وحدت الوجود کا روپ بھر کر عیش پرستی کی اور دنیا کمائی وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں ان کی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے نہ وحدت الوجود پر حرف آتا ہے اور نہ شیخ عبدالقدوس کو متہم کیا جا سکتا ہے۔ متہم کرنے والے خود وحدت الوجود ~~کے~~ سے ناآشنا ہیں۔ تاریخ کا برملا اعلان ہے کہ فیروز شاہ کے زمانہ سے بابر کی آمد تک مذہبی وفادیں ناگفتہ بہ کمی آگئی تھی اور نئے نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے اس کے بعد جب ہمایوں نے ایرانیوں کی مدد سے دہلی پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس کے حلیف اپنے عقائد کی تبلیغ کر کے اور زیادہ ابتری ~~کا~~ کے باعث ہوئے بہت سے لوگوں نے اپنا مسلک ترک کر کے طمع دنیا کی خاطر سیاست کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اسی سیلاب میں بہہ کر ایرانی مذہب اختیار کر لیا ان جملہ خرابیوں کا سدِّ باب علماء سے زیادہ مشائخ نے کیا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں چشتی۔ سہروردی۔ قلندری اور قادری سلسلے اپنا کام کر رہے تھے۔ نقشبندی سلسلہ اس وقت تک ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا یہ چاروں ہی سلسلے وحدت الوجود کے قائل اور مبلغ ہیں۔ وحدت الوجود کے عقیدے کی وجہ سے تنگ نظری و تعصب کی جڑ کٹ جاتی ہے مشائخ نے اسی نظریہ کے ذریعہ دوسری قوموں کے مزاج کو پہچانا۔ ان کی سماجی حالت

کو پرکھا۔ پھر اسلام کے اصول ان تک پہنچانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں وحدت الوجود کو بڑا دخل ہے۔ جب اس کی اشاعت عام کردی گئی تو افراط و تفریط کی وجہ سے مغالطے اور اختلاف پیدا ہوئے اور اصل تعلیم مسخ ہوگئی۔ حد یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس رح کے مستند تذکروں میں بھی ایسی روائتیں ملتی ہیں جو عقل سلیم اور حضرت شیخ رح کی شان کے خلاف ہیں۔ یہ روائتیں یقیناً الحاقی ہیں۔ حیرت و افسوس اس بات پر ہے کہ بعض اہل قلم ایسی مہمل روایتوں سے استدلال کر کے ان بزرگوں کے خلاف طبع آزمائی کیا کرتے ہیں۔ مثلاً لطائف قدوسی میں، جو ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین رح کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے، مذکور ہے کہ جب پہلی مرتبہ اپنی مسجد میں انہوں نے وحدت الوجود کا درس دیا تو صاحبزادگان نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا جس پر ناراض ہو کر انہوں نے فرمایا کہ میں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں وحدت الوجود کے منکر ہوں [1]۔ پھر یہ بھی اعلان کیا کہ میرا دین اور ہے اور ان کا دین اور ہے [2]۔ اسی طرح حضرت جلال الدین تھانیسری رح سے اس وقت تک ملاقات نہیں کی جبتک انہوں نے وحدت الوجود کے قائل ہونے کا یقین نہیں دلایا۔ یہ عبارت خود بول رہی ہے کہ حضرت کے صاحبزادے رکن الدین رح کے قلم کی نہیں ہوسکتی۔ خدا کے واسطے کوئی بتائے کہ ایسے کلمے

---

[1] لطائف قدوسی صفحہ ۵۹ [2] لطائف قدوسی صفحہ ۶۰

ان کی شخصیت پر موزوں آسکتے ہیں یا نہیں. عقل و اخلاق ان روایات کے روادار نہیں ہو سکتے اور نہ کسی شیخِ کامل سے اس قسم کے سلوک کی امید کی جاسکتی ہے پھر نہ کسی صاحبزادے یا مرید کی اتنی جرأت ہو سکتی ہے کہ اپنے شیخ سے اس قسم کا انحراف کرے. ان روایتوں کو یوں بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ جو شریعت کی پابندی کو اصل شئے سمجھتا ہو وہ نہ ایسی ضد کر سکتا ہے اور نہ ایسے سوقیانہ الفاظ اس کی زبان سے نکل سکتے ہیں. علاوہ بریں دو تین روایتیں ان کے متعلق اس قسم کی اور بھی پائی جاتی ہیں. مثلاً فرمایا کرتے تھے کہ "چتر شاہی برسر طفلاں ماست". لیکن انوار العیون میں خود انھوں نے لکھا ہے کہ یہ مصرع شیخ عبدالحق رح کی زبان پر اس وقت جاری ہوا تھا جب ردولی لوٹی گئی تھی اندریں صورت بغیر تحقیق و علم کے ان دروغ بافیوں کو تسلیم کرنا اور بغیر مفہوم و عواقب کو سمجھے ہوئے ان کو شہرت دینا شرافت و دیانت سے بعید ہے.

یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ عبدالقدوس رح نے تعلیم وحدت الوجود کو سب سے پہلے عام کیا تھا. ان سے پہلے دیگر سلاسل کے بزرگوں نے اس کا درس دیا ہے. ان کے اسماء گرامی یہ ہیں. شیخ علی مہائمی. شیخ شرف الدین یحییٰ منیری. اور شیخ حسن طاہر وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین حضرت یحییٰ منیری رح نے اپنے ذاتی تجربہ سے ثابت کیا ہے کہ "عام طور پر جس کو وحدت الوجود غیر حق کا عدم محض یا فنا کا قائل سمجھا جاتا ہے وہ در

حقیقت وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑجانا اور مغلوب ہوجاتا ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذات کا وجود بے حقیقت ہوجاتا ہے۔" بالفاظ دیگر یوں بھی تشریح فرمائی ہے کہ "کسی چیز کا نابود و معدوم ہوجانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ بندہ خدا ہوگیا یا یہ کہ بندہ معدوم ہوگیا۔ جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی صورت کو دیکھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آئینہ معدوم ہوگیا۔" اس کے علاوہ کلمۂ طیب و کلمۂ شہادت پر ایمان رکھنے والے اور اللہ اکبر کا ورد کرنے والے خواب میں بھی نہیں کہہ سکتے کہ بندہ خدائی کا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے الگ جداگانہ ذات ہے مگر صوفیاء سلسلۂ کائنات سے خدا کو جدا نہیں سمجھتے۔ وحدت الوجود کے ابتدائی مبلغ نظامی گنجوی۔ حکیم سنائی۔ فریدالدین عطار۔ ابن رشد گاوزانی اور نابلسی تھے۔ ابن عربی۔ امام غزالی اور امام رازی نے اسی کی تشریح کی ہے

حضرت شیخ عبدالقدوس رح کے وصال کے اڑتیس سال بعد اکبر نے ۹۲۸ھ میں عبادتخانہ کی طرح ڈالی تھی اس میں علماء کی نفسانیت و ناشائستہ ۱۵۲۵ خرکات کی وجہ سے لادینی کے حیلہ فتنوں نے اکبر کے دین الٰہی کی صورت اختیار کرلی تھی۔ صوفیاء خام نے اپنے مفاد کی خاطر شریعت کو طریقت سے علیحدہ کردیا تھا اور طریقت کے نام سے کفر و شرک کے شعبدے دکھائے

جاتے تھے۔ ان فتنوں اور اکبری الحاد کی مدافعت چشتیوں میں حضرت جلال تھانیسری رح (متوفی ۹۸۹ھ/۱۵۸۱) شیخ عبدالعزیز دہلوی رح (متوفی ۹۷۵ھ/۱۵۶۷/۶۸) اور ان کے صاحبزادے حضرت قطب عالم رح نے اور قادریوں میں حضرت موسیٰ گیلانی رح و شاہ ابو المعانی رح نے کی۔ اکبر کے زمانۂ آخر میں حضرت باقی باللہ رح ماوراء النہر سے ہندوستان تشریف لائے تھے انھوں نے یہاں سلسلہ نقشبندیہ کی سب سے پہلے اشاعت فرمائی [۱] یہ سلسلہ سب سے قدیم ہے مگر ہندوستان میں سب سے آخر میں جلوہ فرما ہوا۔ حضرت باقی باللہ رح پہلے لاہور میں نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری ناظم لاہور (متوفی ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۶) کے مہمان ہوتے پھر دہلی میں حضرت قطب عالم رح کی چشتی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ ان کے ابتدائی مریدوں میں نواب فرید بخاری، خان خاناں، مرزا نظام الدین احمد بخشی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح ہیں۔ شیخ عبدالحق رح نے حجاز سے واپس آکر ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲/۹۳ میں حدیث کا مدرسہ دہلی میں جاری کیا تاکہ الحاد و لادینی کی مدافعت ہو/ مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش حضرت خواجہ باقی باللہ رح اور ان کے مریدوں نے خوبی و مستعدی سے کی۔ اس زمانہ میں عام طور پر شریعت کو طریقت سے علیحدہ سمجھا جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے اس کی تردید کی۔ وحدت الشہود کی اشاعت فرمائی اور اکبر کے دین الٰہی کی مدافعت اپنے مختصر قیام میں بڑے کمال کے ساتھ کی مگر انکا وصال اکبر کی حیات میں قیام دہلی کے چھ سات سال بعد ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ میں ہوگیا۔ لہٰذا وہ خود اپنی تعلیم و تبلیغ کو زیادہ عرصہ جاری نہ رکھ سکے/ ان کے

---

[۱] حضرت باقی باللہ رح کابل میں ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ میں تولد ہوئے تھے

وصال سے ایک سال پہلے ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء میں ابوالفضل قتل کیا جا چکا تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رح (متوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴-۲۵ء) اپنے والد کے وصال کے دوسرے سال ۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰-۱۵۹۹ء میں خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں بمقام دہلی حاضر ہوئے تھے۔ بیعت کے بعد مقامات سلوک طے کئے اور خواجہ صاحب کے وصال سے کچھ پہلے خلافت پائی۔ گویا مرشد کی خدمت و صحبت میں چار پانچ سال گذارے۔ پھر سرہند میں اکبر کی وفات تک مریدوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کا عہد ان کی مجددیت کی طیاری کا زمانہ تھا۔ خواجہ صاحب نے ان کے متعلق عظیم الشان بشارتیں دی تھیں۔ اپنے حلقۂ توجہ میں ان کو سرِ حلقہ بنا کر بٹھالا اور مریدوں کو حکم دیا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہو۔ مجدد صاحب رح نے ابتدا میں ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والد سے پائی تھی اور ان سے "فوائد باطنیہ کثیرہ" بقول خود حاصل کئے تھے اور یہ وہی حضرت شیخ العالم ردولوی رح کی تعلیم تھی۔ غالباً اسی تعلیم کے اثر کو دیکھ کر خواجہ صاحب رح نے حضرت مجدد رح پر زیادہ توجہ فرمائی اور اپنا خلیفہ اعظم بنایا۔ اکبر کے انتقال ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵-۰۶ء کے بعد جہانگیر کی تخت نشینی پر انھوں نے اپنا اصلاحی کام شروع کیا۔ اکبر کے دین الٰہی کے اثرات ختم کر دینے کا سہرا یقیناً ان ہی کے سر ہے۔ اکبری عہد کے صوفیاء جو وحدت الوجود کے قائل تھے وہ صرف زبانی جمع خرچ کرتے تھے اور جہلاء غلط استعمال سے قبیح حرکات کے عادی ہو گئے تھے۔ لیکن جو لوگ شیخ اکبر سے واقعی متاثر تھے

وہ زہد و تقوی کے میدان میں پیش پیش تھے۔ لہٰذا ان بطال صوفیوں اور ان مقدس حضرات میں امتیاز کرنے کی ضرورت ہے۔ سب کو ایک نظر سے دیکھنا درست نہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے ان بطال صوفیوں کی اصلاح، تعلیم وحدت الشہود سے کی۔ اور ساتھ ہی نقشبندیوں میں جو بدعات اس قلیل عرصہ میں رائج ہو گئی تھیں ان کو بھی دور کیا۔ جیسا کہ مکتوب نمبر ۱۳۱ سے معلوم ہوتا ہے۔ ترویج شریعت پر اپنے والد اور اپنے مرشد کے مطابق زور دیا ہے تاکہ جذبات و کیفیات میں کوئی حرکت شریعت کے خلاف نہ ہونے پائے۔

وحدت الشہود کی تعلیم علاء الدین سمنانی کی ایجاد کردہ ہے ابن تیمیہ نے اسے پروان چڑھایا۔ اور عبدالوہاب نجدی نے اسے شہ دی وحدت الشہود کے مسئلہ میں مجدد رح کلی طور پر نجدیوں سے متفق نہیں ہیں اب رہا وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا اختلاف تو وہ محض لفظی و اصطلاحی ہے۔ حضرت مجدد رح پر نقشبندی نسبت کا غلبہ تھا ورنہ وحدت الوجود کے منکر یا مخالف نہیں تھے بلکہ خود اس کے ماہر تھے۔ انہوں نے اپنے والد اور شاہ سکندر کیتھلی قادری سے وحدت الوجود کی تعلیم پائی تھی۔ چنانچہ جب تیسری مرتبہ حضرت باقی باللہ رح کے یہاں سے سرہند واپس آئے یعنی خواجہ صاحب رح کے وصال کے بعد تو بہت سے لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ اسی زمانہ میں مولانا جمال تلوی نے جو منکر وحدت الوجود تھے مجدد رح سے وحدت الوجود کے متعلق استفسار کیا تھا۔ تو "شیخ بر بگوش مولانا بردہ کلمہ چند فرمودند"۔ یعنی کان میں چپکے سے وحدت الوجود کی تشریح

فرمادی۔ مولانا تلوی رونے لگے اور اس درجہ متاثر ہوئے کہ مرید ہو گئے حضرت رح ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مجددرح حضرت ابن عربیؒ کا احترام کرتے تھے اور ان کا ذکر انہوں نے "زبدۃ المقامات" میں ادب کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت کے خلیفہ حسن برکی رح نے اپنے مکتوب میں اصطلاح صوفیاء پر اعتراض کئے تھے۔ وہ حضرت کو ناگوار ہوئے اور جواب میں لکھا کہ "خبردار بے سمجھی سے ایسی باتیں آیندہ نہ کرنا۔ اور غیرتِ خداوندی سے ڈرتے رہنا شاید تم کو نقلی و جعلی صوفیوں نے برانگیختہ کیا ہوگا...... مگر بزرگوں کا خیال رکھنا چاہیئے...... مدعیانِ طریقت کی بدعات پر نکتہ چینی کرو تو اُس کی گنجائش ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن جو چیزیں صوفیاء میں مقرر و ضروری ہیں ان پر کلام کرنا سخت نامناسب بات ہے"[1] وحدت الوجود کے منازل اور وحدت الشہود کے مدارج۔ اصطلاحوں کے فرق کے علاوہ کم وبیش ایک ہی ہیں۔ مجددیوں کے یہاں جس آخری منزل کا نام "قیومیت" ہے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر غلام مصطفےٰ صاحب نے (جو اس کے ماہر ہیں) اپنی کتاب 'مجدد الف ثانی' کے صفحہ ۸۱ و ۸۲ پر قیومیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے جب ولی اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس کے افعال اللہ سے منسوب ہو جاتے ہیں نہ اس کی سماعت رہتی ہے نہ دید۔ نہ اس کی گرفت رہتی ہے نہ حرکت

---

[1] منقول از تذکرہ مجدد الف ثانی مصنفہ مولانا منظور نعمانی صاحب صفحہ ۳۴۲

اس وقت

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی اِنَّ الَّذِیْنَ
یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ

کے اسرار واضح ہو جاتے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں قیومیت کی وضاحت جو کی گئی ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ

(۱) اس عالم میں پروردگار جل شانہٗ کا خلیفہ و نائب قیوم ہے

(۲) عالم کے تمام افراد کے لئے جو اسماء و صفات کے مظاہر و ظلال ہیں ایک ایسی ہستی و وجود کی ضرورت ہے جو تجلیات ذاتیہ سے بہرہ مند ہو تاکہ اس کا قیام اس سے ہو۔

(۳) ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود نئی بات نہیں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے مطابق ایسا فرد کامل ہوتا چلا آیا ہے یہی سنتِ الٰہی ہے

(۴) جو بھی اس مبارک مقام پر فائز ہوتا ہے وہ قبلۂ عالمیان اور سردارِ اقطاب و افراد و ابدال و اوتاد ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ولایت کے لئے خشیت و تقویٰ کی ضرورت ہے نہ کہ کشف و کرامات کی۔ اب اگر وجودیوں کی انتہائی معراج پر غور کیا جائے تو اس کی تفصیل ہو بہو وہی ہے جو قیومیت کی ہے۔ دونوں کا استدلال اسی آیت پاک پر ہے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ 'وجود' کے معنی اگر وجد کے لئے جائیں تو دونوں مکتب خیال ایک ہو جاتے ہیں۔ اور وجودیوں اور شہودیوں

میں کوئی فرق نہیں رہتا. لیکن اگر وجود سے موجود کا مطلب لیا جائے تو دونوں میں اختلاف ہو جاتا ہے. وجودی کہتے ہیں کہ کلمۂ طیب کا مفہوم یہی ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی معبود ہے. نہ مقصود ہے اور نہ موجود ہے اس طرح اللہ جل شانہٗ کی انفرادیت کے ساتھ عالم کا وجود خود ثابت ہو جاتا ہے. یعنی یہ کہ عالم محض مظہر حق ہی نہیں ہے. بلکہ عین حق بھی ہے. زمین و آسمان کی تخلیق حق سے ہے اور خدا کا مشاہدہ خارجی عالم اور انسانی ذات دونوں میں ہو سکتا ہے. گویا انفس و آفاق حق تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اس لئے ان سب کا وجود عین حق جل مجدہٗ کا وجود ہے لیکن ہر شئے بذات خود خدا نہیں ہو سکتی. نوعیت اصل ہے اور تنوع اس کا مظاہرہ ہے. وحدت الوجود کا بنیادی اصول بس یہی ہے. وجدان کا تعلق عالم غیب سے ہے. وجود و شہود کا صحیح مطلب کشود کے ذریعہ ہی سمجھا جا سکتا ہے ورنہ یہ سب سخن آرائی ہے. منطق و فلسفہ کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور نہ وہ واضح کر سکتے ہیں. وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست توحید صفاتی ہے اور وحدت الشہود یعنی ہمہ از وست توحید فعلی ہے. حضرت مجدد سرہندی رح اللہ تعالیٰ کی ذات اور وجود میں ظل اور اصل کے مدعی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی اصلیت و ظلیت کے قائل ہیں. ظل کے معنی خواہ سایہ کے لئے جائیں خواہ لطائف مبارکہ کے سمجھے جائیں ہر دو صورت میں دوئی یا ثنویت پائی جاتی ہے. لیکن وجودی جس وجود کو عین ذات سمجھتے ہیں اس میں اصل و ظل کی شرط نہیں لگاتے اور وہ صفات

کو بھی غیر ذات سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے لفظی اختلاف و فرق میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے سمجھوتہ کرایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "کفرِ شریعت دو معبود پنداشتن است و کفر حقیقت دو موجود دانستن ہست یعنی صُوَرِ علمیۂ ما متحقق اند۔ و آں ہمہ علم ماست کہ بہ چندیں رنگ آمدہ۔ شبہ نیست کہ ایں صُوَر را عین علم نتواں گفت۔ زیرا کہ ایں تلوُّنات را قیوم و منشاء بُوَد"[1] اس طرح انہوں نے اختلاف و تضاد کو ختم کر دیا ہے۔ خداوند کریم حضرت مجدد رح کے درجات میں زیادہ سے زیادہ روز افزوں ترقی فرمائے۔ ان کا وصال ۶۳ سال کی عمر میں ۱۹/ صفر ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴/۲۵ کو ہوا۔ وصال سے کچھ پہلے اجمیر شریف تشریف لے گئے تھے۔ چاہتے تھے کہ جہانگیر کے لشکر کی اصلاح کو ختم کر کے بقیہ عمر سکون کے ساتھ وطن میں گزاریں۔ اسی غرض کے لئے حضرت غریب نواز رح کے مزار پاک پر مراقبہ کیا تھا۔ "مدتے محاذی آں صدر اولیاء مراقب نشستند" روحانی ہدایت ہوئی کہ "در خلاصئ خود ازیں عسکر سعی نہ کنند" یعنی لشکر میں تبلیغ و اصلاح کا کام جاری رکھیں۔ جب باہر آئے تو خدام نے غلافِ مزار ان کی نذر کیا۔ انہوں نے اسے لیکر بہ حفاظت تمام اپنے کفن کے لئے رکھ لیا۔ عجیب کوائف ہیں۔ مجدد علیہ الرحمۃ کی ابتدائی تعلیم طریقۂ چشتیہ میں ہوئی۔ پھر سلوکِ قادریہ کی تعلیم پائی،

---

[1] انفاس ص ۸۲

اس کے بعد نقشبندیہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ مجددِ مشہور ہوئے اور آخری حقیقت یہ ہے کہ حضور غریب نواز رح سے ہدایت والنوام حاصل کئے۔ معلوم ہوا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں ایک ہیں۔ مخالف سمتوں سے نہیں بلکہ ایک ہی سمت سے دونوں مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے منظرِ آفتاب سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یہ مَن و تو کا قضیہ بربنائے جہالت ہے اور بس۔

قصہ مختصر۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت عبدالقدوس رح کے بعد صابری سلسلہ کی مرکزیت جاتی رہی تھی۔ پھر ڈیڑھ سو سال بعد امروہہ میں مرکزیت کا اعادہ ہوا اور وہ ۱۶۸ سال قائم رہی۔ آخر میں ۸۵۶/۱۸۵۲ کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح نے مرکزیت کو بحال کرنا چاہا مگر ان کے خلفاء اسے نہیں نبھا سکے۔ خود ان میں تفرقہ پڑ گیا۔ لہٰذا معاشرے میں ابتذال پیدا ہونا لابد تھا جو ہو کر رہا۔ البتہ شیخ عبدالقدوس رح کے بعض خلفاء نے انفرادی طور پر جو خدمت کی تھی وہ مرکز کی کارگزاریوں سے کم اہم نہیں خیال کی جا سکتی۔ انہوں نے ہندوستان سے باہر جا کر یہاں کے جملہ سلاسل سے پہلے اپنے سلسلہ کی اشاعت کی۔ حضرت نظام الدین بلخی رح اور شیخ محمدی رح کے کارناموں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبدالقدوس رح کے خلفاء کی یہ خصوصیت و حقیقت بھی قابل ملاحظہ ہے کہ اپنے شیخ کے اتباع میں حالاتِ زمانہ کے مدنظر انہوں نے امراء و سلاطین سے ربط و ضبط کو مناسب نہیں سمجھا۔ ۱ لوگوں نے آراضی کا قضیہ طے کرنے کو

---

۱ فٹ نوٹ —— اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے

جلال الدین تھانیسری رح کو آگرہ بلایا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے "رسالۂ تحقیق اراضی ہند" تصنیف کیا تھا جس میں ثابت کیا ہے کہ بادشاہ کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے زمین دے۔ پھر وہ اس کا حق ہو جاتی ہے۔ اکبر بادشاہ کو وہ بہت پسند آیا۔ اور ان سے اپنے یہاں رہنے کے لئے بیحد اصرار کیا۔ مگر وہ راضی نہیں ہوئے اور تبلیغ سلسلہ کی غرض سے وطن چلے گئے۔ ان کی توجہ بجائے امراء کے عوام کی اصلاح کی طرف رہی اور یہ زمانہ اسی کا مقتضی تھا۔

حضرت جلال الدین تھانیسری رح ابتدا میں زاہد خشک تھے اور سماع کے قطعی مخالف تھے۔ شیخ عبد القدوس رح کے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا پیر "نچکیا" ہے۔ حضرت نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عبد القدوس محض رقاص ہی نہیں ہے بلکہ رقاص گر بھی ہے۔ جب حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ تھانیسر پہنچے اور مولانا کے مدرسے میں تشریف لے گئے تو اپنے جواب کو پیش کر دکھایا۔ مولانا ایک نظر کی تاب نہ لا سکے۔ لوٹ پوٹ ہو گئے اور حال بدل گیا۔ بہرحال بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت کے مستحق ٹھہرے۔ اکبر کے دین الٰہی سے انھیں سابقہ پڑا۔ اکبر کا دربار فلسفہ و حکمت سے معمور تھا۔ اکبر نے یہ سن کر کہ غیاث منصور ایرانی کے ایک شاگرد

لہ مرشد سے یہ اختلاف ایسا تھا کہ جیسا امام ابو حنیفہ رض اور ان کے شاگردوں کے درمیان میں تھا اور ویسا نہیں تھا جیسا کہ آگے چلکر حاجی امداد اللہ رح اور انکے خلفاء کے درمیان ہوا

فتح اللہ شیرازی بیجاپور میں تھے وہاں کے نواب عادل خاں دکھنی سے ان کو طلب کیا چنانچہ وہ فتحپور سیکری آگئے۔ وہ مذہب امامیہ رکھتے تھے اکبر نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ نیرنجات کے بھی ماہر تھے۔ اُن کی نئی نئی ایجادیں اور شعبدے مشہور ہیں اس عہد میں انہوں نے معقولیت و شیعیت کو خوب پروان چڑھایا۔ پھر پارسی حکیم کامران نے فلسفۂ اشراقین کو رائج کیا۔ اس نے اپنی کتاب دبستان میں جملہ مذاہب کا خوب مضحکہ اُڑایا ہے۔ اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف بنگال و بہار میں بغاوتیں بھی ہوئیں مگر وہ حکومت کے تشدد کی وجہ سے دب کر رہ گئیں۔ اکبر کا دینِ الٰہی کچھ بھی ہو مگر تھا بے حقیقت۔ اس کو ملکی مصلحت ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس پر کوئی خاص توجہ کی جائے۔ یہ دربار کے چند جاہ طلبوں تک ہی محدود رہا۔ صرف نو یا دس چیلے یا مرید میسر آ سکے۔ ان میں سوائے بیربل کے باقی سب مسلمان تھے۔ اس نو ایجاد فرضی مذہب کے علاوہ اس زمانہ میں خود ہی الحاد کا زور تھا۔ علمائے دربار گندم نما جو فروش تھے۔ ان سے بیزار ہو کر اپنے مغلئی رسم و رواج اور چنگیز خاں کی تقلید میں اکبر نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا دینِ الٰہی دم توڑ گیا۔ پھر حضرت مجدد رح نے اس دین کے اثرات بھی زائل کر دیئے۔ ملا ئے بدایونی چودہ برس اکبری دربار میں رہے۔ اس مذہب کی انہوں نے تائید نہیں کی۔ سزا کے خوف سے تین مرتبہ گھر بیٹھ رہے۔ مگر ہر مرتبہ کسی نہ کسی طرح بلا لئے گئے۔ مگر حیرت ہے کہ ایسے ماحول میں رہنا

انھوں نے پسند کیسے کیا۔ راجہ مان سنگھ۔ شہباز خاں کمبوہ اور قطب الدین محمد[1] نے اس مذہب کو قبول کرنے سے اکبر کے منہ پر صاف انکار کر دیا مگر اپنے اپنے عہدوں پر بحال رہے اور معتوب نہیں کئے گئے۔ مدعا یہ کہ اکبر کو خود اس مذہب پر اصرار نہیں تھا۔ وہ سیاسی طور پر مصلحتاً صلح کل ہونے کے خیال سے اپنے اثرات کو بڑھا کر اپنی حکومت کا استحکام چاہتا تھا۔ اور بس۔

حضرت مجدد سرہندی رح سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد کے مرید تھے پھر قادری خلافت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل کی تھی۔ آخر میں سلسلہ نقشبندیہ کے مجدد ہوئے۔ لہٰذا ان کی تعلیم میں ان دونوں سلسلوں کی خوبو پائی جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو باندازِ دگر "نظام تعلیم و تربیت" کے صفحہ ۲۰۳ پر مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے لکھا ہے کہ "اور تو اور سیدنا، الامام حضرت مجدد سرہندی قدس سرہٗ نے حالاں کہ جو کچھ لکھا ہے عقلیت کے خلاف ان کا سارا کلام جیسا کہ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں سراسر عقلی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے" اگر مولانا مرحوم ذرا بھی غور فرماتے تو سمجھ لیتے کہ مجدد صاحب رح حضرت شیخ العالم ردولوی رح کی طرح طریقت کو شریعت کے لباس میں پیش کرتے تھے۔ لہٰذا عقلیت کی تردید عقل سے

---

[1] پتہ نہیں کہ یہ قطب الدین کون تھے یا کوئی اور تھے۔ منتخب التواریخ میں یہی نام لکھا گیا ہے۔

اس لئے کی کہ وہ ان ہی کو کاٹا کرتا ہے۔ اگر طریقت کے اصول پر تنقید یہ فرماتے تو عقلیت والے اسے کیا سمجھتے۔ چونکہ صابری اور مجددی طرز تعلیم ایک سا ہے اسی لئے مجددی حضرات مخدوم پاک رح اور ان کے سلسلہ کا خاص طور پر احترام بھی کیا کرتے ہیں۔

نظام الدین بلخی تھانیسری (متوفی ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶/۲۷ء) حضرت جلال تھانیسری رح کے بھتیجے، داماد اور خلیفہ تھے۔ جہانگیر کو ان سے عقیدت تھی مگر اس شبہ پر کہ انھوں نے باغی شہزادہ خسرو کو پناہ دی تھی بادشاہ نے ان کو جلاوطن کردیا تھا۔ وہ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد بلخ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اُن ہی کا دم ہے کہ اس دیار میں صابری سلسلہ کی اشاعت ہوئی۔ ان کا وصال بلخ میں ہوا۔ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت محب اللہ الہ آبادی صابری رح (متوفی ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) نے ہمیشہ امیروں سے بے نیازی برتی۔ شاہجہاں نے ہر چند انھیں بلایا مگر انھوں نے معذرت کرلی۔ البتہ اپنے قیام الہ آباد میں شہزادہ داراشکوہ ان سے فیضیاب ہوا تھا اور سفینۃ الاولیاء میں اس نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اورنگ زیب کو حضرت محب اللہ رح سے کچھ پرخاش تھی۔ ان کے خلیفہ شاہ محمدی امروہوی رح (متوفی ۱۱۰۷ھ) کی جب شہرت ہوئی تو اورنگ زیب نے اپنی خام خیالی کی وجہ سے انھیں مکہ شریف چلے جانے کا حکم دیا۔ وہاں انہوں نے صابری سلسلہ کی اشاعت ملک روم تک کی۔ ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۷/۸۸ء کے بعد جب وہ واپس آئے تو پانچ سال تک انھیں قلعہ اورنگ آباد میں قید رکھا گیا۔ پھر اکبرآباد میں ان کا

وصال ہوا۔ ان کے خلیفہ شاہ عضد الدین امروہوی رح (متوفی ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸/۵۹ء) کو ان کی تصنیف "مقاصد العارفین" پر روہیلہ نواب نے انعام و وظیفہ پیش کیا۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کیا اور متوکل رہے۔ ان کی پیشین گوئی کے مطابق مدت بعد شاہ عالم کے عہد میں مرہٹوں نے ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱/۷۲ء میں ضابطہ خان روہیلہ کو شکست دی تھی۔ شیخ المشائخ حضرت عبدالباری امروہوی رح ~~رح~~ کے شاہ عضد الدین رح کے خلیفہ تھے۔ ان کا وصال ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں ہوا۔ شاہ عبدالباری رح کے خلیفہ ~~اور~~ حاجی عبدالرحیم فاطمی ولایتی رح تھے۔ ان صابری حضرات کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحبان سرکار و دربار سے بے تعلق رہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزوں کے عروج کی داستان سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ مگر ان ہنگاموں میں صابری بزرگوں کی کسی نوعیت سے بھی شرکت و شمولیت نہیں پائی جاتی۔ البتہ حضرت عبدالباری رح کے وصال کے بعد ان کے خلیفہ حاجی عبدالرحیم رح سیاسی طور پر نہیں بلکہ علماء کے فتویٰ کی بنا، پر سید احمد رائے بریلوی رح کے ساتھ سکھوں کے خلاف جہاد میں شریک ہو گئے تھے۔ اور ان کی شہادت بالاکوٹ میں ہوئی تھی ان کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں سے برسرپیکار ہوئے تھے۔ حاجی عبدالرحیم فاطمی رح کے متعلق سید احمد رائے بریلوی رح کے خلفاء نے نہایت وثوق سے فخریہ اعلان کیا ہے کہ حضرت فاطمی رح کو رحم علی شاہ قادری سے فیض حاصل نہیں ہوا اور

نہ شاہ عبدالباری امروہوی رح سے خلافت ملی۔ بلکہ بلا شرکت غیرے وہ سید احمد صاحب رائے بریلوی کے خلیفہ تھے۔ گویا وہ نقشبندی تھے [1] اگر یہ صحیح ہے تو حاجی عبدالرحیم اور ان کی شاخ کا تعلق صابری سلسلہ سے کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا اور ان کو حق نہیں کہ اپنے آپ کو صابری مشہور کریں، مگر خدا جانے یہ لوگ نقشبندی بننے سے کیوں شرماتے ہیں۔ شمائم امدادیہ کے صفحہ ۱۶۳ پر ایک روایت حاجی امداد اللہ رح نے مشہور شاعر مومن خاں مومن سے نقل کی ہے [2] کہ ایک روز شاہ عبدالعزیز رح نے اکابر دین کا تذکرہ کرتے ہوئے مردان کامل کا ذکر کیا تھا۔ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ آجکل مرد کامل نظر نہیں آتے۔ فرمایا کہ "برسوں فلاں سمت سے فلاں وقت ایک شخص مسئلہ پوچھنے یہاں آئے گا اسے دیکھ لینا وہ مرد کامل ہے" چنانچہ موعودہ وقت پر جو صاحب آئے وہ حضرت حاجی عبدالرحیم فاطمی رح تھے۔ مرد کامل نے اس طرح مرد کامل کو دکھا دیا اب ملاحظہ ہو کہ شاہ عبدالباری رح کا وصال ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کے لئے حاجی

---

[1] حضرت فاطمی کے سید احمدی ہونے کا دعوی حسب ذیل کتب میں ہے
۱۔ مخزن احمدی ۲۔ سوانح احمدی ۳۔ ارواح ثلاثہ ۴۔ سوانح قاسمی
۵۔ سید احمد شہید مصنفہ مولانا غلام رسول مہر صاحب۔ وغیرہ

[2] یہی روایت امداد المشتاق میں بھی ہے۔

سید کریم [illegible] دو برس تک امروہہ میں رہے۔ لہٰذا شاہ عبدالعزیز رح
کی خدمت میں وہ یا تو ان دو برس کے دوران میں آئے یا ۱۸۱۳ء
کے بعد آئے۔ سید شہید اس زمانہ میں نواب امیر خاں کے لشکر میں بمقام
مالوہ تھے[1] وہاں سے دلی آنے پر انھیں شاہ عبدالعزیز رح نے
خلافت ۱۸۱۸ء میں دی تھی۔ سید صاحب کی پہلی ملاقات ان کے
تذکروں کے مطابق حضرت فاطمی رح سے سہارنپور کی بوبنی والی مسجد میں
ہوئی تھی جب کہ تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں سید صاحب وہاں گئے تھے
نتیجہ یہ کہ جب حضرت فاطمی مسئلہ دریافت کرنے شاہ عبدالعزیز رح
کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو وہ مرد کامل تھے اور سید احمد صاحب
اس وقت نواب امیر خاں کے لشکر میں محض معمولی سپاہی تھے اور شاہ
صاحب سے انھیں خلافت بھی نہیں ملی تھی۔ لہٰذا حضرت فاطمی کا کمال سید احمد

---

[1] مالوہ کے لشکر میں ہر افسر نواب کہلاتا تھا ورنہ واقعی نواب کوئی نہیں
تھا۔ نواب اشرف علی خاں رئیس کمونہ ضلع علیگڈھ نے اپنے تذکرے
اشرف نامہ میں لکھا ہے کہ وہ اسی زمانہ میں نواب امیر خاں کے مہمان مختلف
وقفوں میں تین مرتبہ ۶ ماہ تک رہے ہیں اور وہ فقیر دوست بھی تھے۔ مگر
انھوں نے سید صاحب کا نہ ذکر کیا ہے اور نہ ان سے ان کی ملاقات ہوئی
لہٰذا یہ سخت حیرت کی بات ہے۔ یعنی اگر سید صاحب وہاں تھے تو گمنام
و بے نشان تھے۔

صاحب کا عطیہ کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت فاطمی کے متعلق سید صاحب کے خلفاء اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء کا دعویٰ غلط اور مہا غلط ہے۔ حاجی صاحب کی ایک روایت سے اس دعویٰ کی تردید ہو جاتی ہے اور وہ روایت امداد المشتاق کے صفحہ نمبر ۲۸۳ پر ہے جو انھوں نے زیارت حرمین کے موقع پر ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء میں سنی تھی۔ وہ یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم اور شیخ محمد جان نے ہندوستان آ کر پہلے حضرت رحم علی شاہ رحؒ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد یہ دونوں امروہہ پہنچے۔ شاہ عبدالباری رحؒ نے فرمایا کہ "شیخ محمد جان سے کہدو کہ تمہارا حصہ شاہ غلام علی دہلوی کے پاس ہے اور شاہ عبدالرحیم کو میرے پاس لاؤ۔" اس کے بعد شاہ عبدالباری رحؒ اور فاطمی رحؒ کا مطلب پورا ہو گیا۔ یعنی مریدگی کی توجہ فرما دی۔ حاجی صاحب رحؒ کی اس مستند روایات کا علم رکھنے کے بعد معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا خبط و جنون ہے جو فاطمی رحؒ کو سید شہید صاحب کا خلیفہ کہتے ہیں غالباً ایسا شبہ حضرت فاطمی کی شرکت جہاد کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے بیشک سید صاحب سے بیعت جہاد کی مگر بیعت جہاد اور بیعت ارادت میں فرق ہے۔ ممکن ہے کہ سید صاحب نے اپنی اعزازی خلافت بھی مرحمت فرما دی ہو۔ اگرچہ اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ بھی بیعت ارادت کا مرتبہ نہیں رکھتی بسلسلہ اصلی سے چلا کرتا ہے۔ پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ سید صاحب نے جہاد محض سکھوں سے کیا تھا یا انگریزوں سے بھی کیا تھا۔ واقعات حالات اور

خصوصاً سید صاحب کے بیانات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے جہاد انگریزوں سے کیا تھا[1] اسی طرح حاجی امداد اللہ رح کا جہاد انگریزوں کے خلاف مشکوک ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اتباع سید احمد صاحب ان کی جماعت علماء حاکم وقت سے جنگ کرنے کو جائز نہیں سمجھتی تھی مگر ہوا یہ کہ میجر اسپنکی نے تھانہ بھون کے قاضی عبدالرحیم اور ان کے ساتھیوں کو بلا تحقیق بغاوت کے شبہ پر سہارنپور میں پھانسی دے دی تھی۔ لہٰذا یہ حضرات انگریزوں سے بدلہ لینے پر آمادہ ہو گئے۔ مجلس شوریٰ طلب کی گئی۔ اس میں مقتدر علماء نے جنگ کی مخالفت کی اور مولوی رشید احمد صاحب نے برملا کہا کہ یہ جذبۂ انتقام ہے اس کو کسی طرح جہاد سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا[2] مگر پھر بھی فتویٰ جہاد جاری کر دیا گیا اور حاجی امداد رح کو امیر مقرر کیا گیا۔ جب مقابلہ ہوا تو کچھ علماء شہید ہوئے باقی سب پسپا ہو کر روپوش ہو گئے۔ اور امیر جہاد حاجی رح نے خفیہ طور ۱۸۵۹ء میں مکہ مکرمہ کو ہجرت فرمائی۔ مختصر یہ کہ یہ جہاد بھی مشکوک ہے۔ اسے انتقامی جنگ ہی کہا جا سکتا ہے۔

جناب سید احمد رائے بریلوی رح اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی صحبت:

---

[1] ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "سید احمد شہید کی صحیح تصویر"

[2] منقول از "مولانا محمد احسن نانوتوی" مصنفہ جناب محمد ایوب قادری صاحب ایم اے۔ کراچی۔

تجلیم کی وجہ سے حضرتِ فاطمی رح کی دیوبندی شاخ کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی یعنی ان صاحبان کو بشارت وہدایت دینے کے لئے عالمِ رویاء میں حضور سرورِ عالم صلو علیہ وآلہٖ خود قدم رنجہ فرمانے لگے لیکن خوابوں کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات توہمات وتخیلات جو تحت شعور میں پوشیدہ ہوتے ہیں کسی ہیجان کی وجہ سے خواب میں اُبھر آتے ہیں انکو اصل نہیں سمجھنا چاہیئے. یہ صحیح ہے کہ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہِ مبارک خوابوں میں ابلیسِ لعین اختیار نہیں کر سکتا. مگر اُسے دھوکہ دینے میں کمال ہے. خواب میں اجنبی صورت کو کسی اور سے موسوم کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے. اب ان حضرات سے جنہیں خوابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے حلیہ مبارک دریافت کیا جائے تو ہر ایک مختلف شمائل بتائے گا انکی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق دیدار ہوا کرتا ہے. اس کے کھلے ہوئے معنی ہیں کہ اس قسم کے خوابوں میں اکثر توہمات وتخیلات کا دخل ہوتا ہے اور اصلیت نہیں ہوتی. لیکن اگر سچ بھی ہوں تو تحدیثِ نعمت کے طور پر ان کا تذکرہ جائز ہو سکتا ہے مگر اس شرف کے جا وبیجا اظہار سے برکت جاتی رہتی ہے اور سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے. اور یہ بھی ہے کہ غیرتِ حسن اعلان کی روادار نہیں ہوتی. پھر روحانیت و نورانیت تو اس سے بھی زیادہ حساس ہوتی ہیں جن کو حضور رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابوں میں زیارت

ہوتی ہے وہ قیل و قال میں نہیں پڑا کرتے اور نورانیت سے لطیف اٹھایا کرتے ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ خوابوں کے احکام لائق تعلیم نہیں ہوتے [1] اس میں شک نہیں کہ رویائے صادقہ نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں لیکن رویائے صادقہ فضل رحمانی پر منحصر ہیں۔ اور ہر کس و ناکس کا مقسوم نہیں۔ رویائے صادقہ و کاذبہ میں امتیاز کرنے کے لئے بتایا گیا ہے کہ خواب دیکھ کر اس کی تین دفعہ نفی کی جائے۔ اگر ہر سہ مرتبہ تینوں دن وہی خواب تکرار کرے تو صادقہ ہے ورنہ کاذب ہے۔ نفسانی نفوس اور اغوائے شیطانی کو رویائے صادقہ سمجھ لینا مخلصین کا شیوہ نہیں ہے

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ رب العالمین نے انھیں تین نعمتیں عطا فرمائیں۔ ایک یہ کہ ان کے مرید نامی گرامی علماء ہوئے۔ دوسرے یہ کہ قیام کے لئے بیت اللہ میں جگہ ملی تیسری یہ کہ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کی طرح دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی [2]

---

[1] فضائل صحابہ و اہل بیت صفحہ ۲۲۲ ماخوذ از مکتوبات شاہ عبدالعزیز رح

[2] یہ تحریک حاجی صاحب رح سید عابد حسین نے ۱۳۹۷ھ/۱۸۶۷ء میں دار العلوم کا دیوبند میں اجراء کیا۔ مہتمم مولانا قاسم اور نائب مہتمم مولوی رشید احمد بنائے گئے۔ معاونین میں مولانا مہتاب علی اور حاجی صاحب کے بڑے بھائی ذوالفقار علی اور دیگر حضرات جو شاہ عبد~~القدیر~~ العزیز رح کے یہاں کے تعلیم یافتہ تھے، قابل ذکر ہیں۔ مسجد چھتہ میں مدرسہ جاری کیا گیا۔ جامع مسجد کی بنیاد ۱۲۸۲ھ میں رکھی تھی بعد کو کمیٹی میں

باقی اگلے صفحہ پر

حضرت کا سال پیدائش ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۳ سے اور ان کا وصال مکہ معظمہ میں ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹
میں ہوا اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ نصیر الدین حنفی دہلوی رح کے مرید ہوئے اور
سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت حاصل کی۔ پھر حضرت نور محمد جھنجھانوی رح سے
سلسلہ صابریہ کی خلافت پائی اور اسی خاندان کے ہو رہے۔ حج کے لئے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء
میں گئے اور ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں واپس آئے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے شکست کھائی
اس کے بعد ۱۸۵۹ء میں مولوی محمد یعقوب اور عبد الغنی کی معیت میں براہ سندھ
خفیہ طور پر ہجرت فرمائی۔ حاجی صاحب رح مرنجاں مرنج اور منکسر المزاج تھے
ہر شخص کی خاطر و طبیعت کا لحاظ و پاس رکھتے تھے۔ اگر کوئی ان کی رائے نہیں
مانتا تو فرما دیتے کہ تمہاری خوشی / مختلف قسم کے عقائد رکھنے والے ان کے مرید تھے
ایک غیر مقلد نے مرید ہونے کے بعد آمین بالجہر اور رفع یدین کو ترک کر دیا۔ حاجی
صاحب نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی اور فرمایا کہ اگر ہماری وجہ سے
ترک کیا ہے تو نہ کریں ترک سنت کا باعث کیوں ہوں۔ سنت یہ بھی ہے اور وہ بھی
اور اگر اپنی مرضی سے ترک کیا ہے تو خیر۔ تم جانو۔ غرض حاجی صاحب کی وسعت
قلبی اور رواداری بے مثل خصوصیت تھی۔ ان کی تواضع کا مزید ثبوت یہ ہے
کہ جب ان کے خلفاء کسی پر کفر کا فتوی لگاتے تو حضرت تاویل فرمایا کرتے

پچھلے صفحہ کا بقیہ — اختلافات شروع ہوئے تو سید عابد علی صاحب حج کو تشریف
لے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں تنازعات و فسادات اور بڑھے۔ حج سے واپس آکر
سید صاحب کمیٹی سے مستعفی ہو گئے۔ سید صاحب کی پیدائش ۱۲۵۰ھ میں اور وفات ۱۳۳۱ھ
میں ہوئی۔

تھے ل‍ ایک مرتبہ کسی نے حاجی صاحب کی تکفیر کی تو فرمایا کہ میں عند اللہ اگر مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر مُضر نہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ کافر ہوں تو برا ماننے کی کیا بات ہے

حاجی صاحب رح نے اپنا حصہ جائداد اپنے منجھلے بھائی فدا حسین کو ہبہ کر دیا تھا جب مرید ہونے کے لئے کثرت سے علماء آنے لگے تو ان کے قیام و طعام میں دقت واقع ہوئی۔ لہٰذا فدا حسین کی اہلیہ نے مہماں نوازی کی ذمہ داری لی۔ کچھ دن کے بعد حاجی صاحب رح نے خواب میں دیکھا کہ ان کی بھاوج کھانا پکا رہی ہیں اتنے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے تشریف لائے اور فدا حسین کی بیوی سے فرمایا کہ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کے لئے کھانا پکائے ان کے مہمان علماء ہیں۔ ان کے لئے کھانا ہم خود پکائیں گے ٢ تعبیر یہ لی گئی کہ علماء کثرت سے مرید ہوں گے۔

اس خواب کی تعبیر کے بعد جو عالم و فاضل مُرید ہوئے اُن میں سب سے اول مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی صاحب پہلی مرتبہ کسی مولوی سے مناظرہ میں کامیابی کی دعا کیلئے حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حاجی صاحب نے انھیں سمجھایا کہ مناظرہ کرنا اچھا نہیں

ل‍ امداد المشتاق نمبر ٣٢٨ ٢ ارواح ثلثہ و امداد المشتاق ص ١٧ و ص ٢٢ ٣ امداد المشتاق ص ١٥ و نمبر ٣٢٧ و فیض الاکابر نمبر ٨٠ ص ١٠٠

ہوتا۔ اس سے دل سیاہ ہوتا ہے[۵۱] اس پہلی حاضری کے بعد مولوی صاحب نے بار ہا مرید کر لئے جانے کی درخواست کی مگر مسموع نہیں ہوئی لیکن جب حافظ ضامن علی صاحب نے سفارش کی تو انہیں مرید کر لیا۔ اس تعویق کی وجہ یہ بتائی گئی کہ شوق وطلب کو بڑھانا اور پختہ کرنا منظور تھا۔ وقت بیعت مولوی صاحب نے یہ شرط پیش کی تھی کہ "ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ مجھ سے کچھ نہ ہوسکے گا" حاجی صاحب نے ہنس کر فرمایا کیا مضائقہ ہے کچھ عرصہ کے بعد مولوی اشرف علی نے دریافت کیا کہ شرط قبول کرنے کے بعد تعلیم کی کیا ضرورت رہی۔ جواب دیا کہ "بس مرشد۔ میری چارپائی اپنے برابر بچھوائی گئی۔ رات کو وہ اپنے درود و وظائف میں مشغول ہوتے تھے اور میں سونا چاہتا تھا مگر نیند نہیں آتی تھی لہٰذا رفتہ رفتہ میں بھی ذکر و فکر کرنے لگا۔ ایک رات کو میں نے از خود ذکر بالجہر کیا تو صبح کو فرمایا تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشتاق کیا کرتا ہے۔ غرض اس طرح ہمت افزائیاں کر کے مجھ سے مجاہدات کروا لئے اور میری شرط کو کالعدم کر دیا[۵۲]

امداد المشتاق مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے صفحہ ۲۶ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ "بعض مسائل میں علماء میں اختلاف تھا۔ مگر اس اختلاف سے اصل مقصود میں قدح لازم نہیں آتا" پھر یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "ہمارے حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ علماء تنازع کر کے العلم حجاب الاکبر کے مصداق بن جاتے ہیں"

---

[۵۱] امداد المشتاق صفحہ ۲۲/۱۹ و تذکرۃ الرشید صفحہ ۵۷

[۵۲] امداد المشتاق صفحہ ۲۰

اشرف علی صاحب کی اس تحریر کے معنی جو کچھ بھی ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اختلاف بعض خلفاء اور حاجی صاحب کے درمیان میں تھا۔ چنانچہ حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ میرے خلفاء دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لئے ان کی درخواست پر اجازت دے دی ہے [1] جن خلفاء کو از خود خلافت دی انہوں نے پوری طرح حاجی صاحبؒ کا اتباع کیا، مثلاً مولوی لطف اللہ علی گڈھی۔ مولوی احمد حسن کانپوری۔ مولوی محمد حسین الہ آبادی اور مولوی عبدالسمیع رام پوری۔ جن خلفاء نے حاجی صاحبؒ سے اختلاف کیا ان میں مولوی قاسم نانوتوی۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

یہ اختلاف اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب اور دلچسپ ہے۔ متعدد مرتبہ علماء دیوبند کی شکایتیں حاجی صاحب سے کی گئیں، مگر انہوں نے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب کی تحقیقات للّٰہیت پر مبنی ہے اور اس میں نفسانیت کا شائبہ نہیں۔ اس بحث و تکرار میں عمر تلف نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے محبوب حقیقی سے حجاب ہو جاتا ہے [2]

---

[1] امداد المشتاق صفحہ ۲۰

[2] امداد المشتاق نمبر ۱۷۱ و قصص الاکابر نمبر ۳۷ و فیصلہ حقیقت مسئلہ

پھر یہ فرمایا کہ جو ہمارا معتقد ہے وہ ہم سے منحرف نہیں ہو سکتا[1] بعد میں رفع فساد کے لئے حاجی صاحبؒ نے دو رسالے "وحدت الوجود" اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" لکھ کر بھیج دیئے[2] جن میں اپنے مشرب طریقت و شریعت کی وضاحت کی۔ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ بھیجنے کے بعد مولانا محمد حسین الہ آبادی سے بذریعہ خط دریافت کیا وہ تحقیق کر کے بتائیں کہ ہمارے لوگوں نے (دیوبند وغیرہ) اس رسالے کو کس نظر سے دیکھا اور اس کو پسند کیا یا نہیں[3] علمائے دیوبند نے اپنی تحقیقات کی بنا پر ان رسالوں کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا بلکہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذرِ آتش کروا دیا۔ ان اختلافات کی حاجی صاحبؒ کی نظر میں رتی برابر بھی اہمیت نہیں تھی کیونکہ وہ سب ہی فروعی تھے۔ سمجھانا ان کا کام تھا۔ ماننا یا نہ ماننا ان لوگوں کا کام تھا۔ مبلغ مرشد اور رسول کا فرض حق کو پہنچا دینا ہوتا ہے اور بس۔ وہ مجبور نہیں کر سکتے۔ ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ایسا یکطرفہ اختلاف یا تخیل گویا اپنی ڈفلی اپنا راگ کی مثال تھا چنانچہ حاجی صاحبؒ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ البتہ یہ نصیحت فرمائی کہ اختلاف منظر عام پر نہ لایا جائے

---

[1] رسالہ وحدت الوجود ص۲ و شمائم امدادیہ صفحہ ۵۷ یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ میں تصنیف فرمایا تھا۔

[2] فیصلہ ہفت مسئلہ رجب ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ میں بھیجا تھا۔

[3] سوانح حیات شاہ محمد حسین الہ آبادی صفحہ ۳۰۳

تاکہ فتنہ و فساد نہ پھیلے مگر علمائے دیوبند ماننے والے کب تھے. بایں ہمہ حاجی صاحب نے ہر ہر موقع پیران صاحبان کی قدر و منزلت کا برابر اظہار کیا ہے. مولوی رشید احمد صاحب کے اس شبہ کے متعلق کہ شاید حاجی صاحب کبیدہ خاطر ہو گئے اپنے خط میں اس کی تردید کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ "فقیر نے مسائل مختلف فیہا کے باب میں آپ کی کوئی تحریر نہیں دیکھی نہ پڑھی اور نہ اس کی تفتیش کی. فقیر تو آپ کے سب اقوال کو موافق شرع ہی جانتا ہے. مزید برآں اگر بعض مسائل میں موافقت نہ ہو تو فقیر ایسے اختلاف کو صحابہ کا اختلاف سمجھتا ہے اور آپ کے ہر قول کی تاویل و توجیہ میرے دل میں نہایت جمعیت بخش و تسلی دہ ہے[1]" حاجی صاحب نے اپنی تواضع اور اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کی جو تعریف اور عزت افزائی کی اس میں اصلاح کی کوشش موجود ہے جسے تالیف قلوب بھی کہا جا سکتا ہے بقول شخصے "عاقلاں را اشارہ کافی است" افسوس یہ حضرات اپنی ہٹ میں پھولے نہیں سمائے. اپنی رائے پر اڑے رہے یا یان کا لہ اپنی تحقیقات کے لئے ڈھول بجائے کہ اس کی آواز ابھی تک گونج رہی ہے. مولوی رشید احمد صاحب نے اعلان کیا کہ "جس فن کے امام حاجی صاحبؒ ہیں ہم ان کے مقلد ہیں. باقی ان فرعیات کے امام ہم ہیں حاجی صاحبؒ کو چاہیئے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کے عمل کریں" اور مولوی قاسم نے فرمایا کہ "ہماری معلومات زائد ہیں

---

[1] امداد المشتاق صـ ۱۹۶ (تاویل کا لفظ غور طلب ہے تاویل اسی بات کی کی جاتی ہے جو مشکوک اور صحیح نہ ہو)

اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے"[۱] ان ارشادات کے معنی جو کچھ بھی سمجھے جائیں، مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک طریقت، شریعت سے جدا فن ہے۔ مگر حاجی صاحب رح کا کہنا ہے کہ اقرار باللسان اشارہ طرف شریعت کے ہے اور تصدیق بالجنان سے مطلب طریقت ہے۔ اقرار بدون تصدیق کے نفاق ہے اور تصدیق بلا اقرار کے بیکار ہے۔[۲] ان صاحبان نے اس اختلاف کی حضرت امام ابوحنیفہ رض اور ان کے شاگردوں اور حضرات صحابہ رض کے اختلاف سے مثال دی اور مولوی اشرف علی صاحب نے تو اس اختلاف کو جائز قرار دینے کے لئے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی مگر ساتھ ہی از راہ انصاف یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بقول شخصے" تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

اعلیٰحضرت گو وہ تشدد پسند نہ تھا جس کو امام ربانی نے اصلاح خلق واحیاء سنت کے لئے دانتوں سے مضبوط پکڑ رکھا تھا ....

.. مسئلہ مسلمہ کی بنا پر اعلیٰحضرت کی طرف سے اہلیت واستعداد تام کا پروانہ ملنے پیچھے صاحب نسبت مجاز طریقت بنکر اعلیٰحضرت کے اس خیال سے امام ربانی کا موافقت نہ فرمانا شریعت میں تو کیا طریقت میں بھی کسی الزام کا باعث نہیں ہو سکتا .... جو کچھ بھی ہو بالغرض

---

[۱] امداد المشتاق ص ۱۹۲

[۲] قصص الاکابر نمبر ۲۲ و ۷۰ و ضیاء القلوب ص ۹۷

معاندین کے لئے اس مبحث میں پڑنا سبب ضلال ہو گیا اور جس نے جو چاہا کہا مگر خدا شاہد ہے. بات یہ تھی کہ لاریب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو قدوۃ العلماء اور جامع شریعت و الطریقت نائب رسول بن کر اس طریق کا اختیار فرمانا جو بظاہر شیخ کے قول و عمل سے ظاہر ہو رہا تھا وہ زبردست لغزش تھی جو آپ کو اس مرتبہ عالیہ تک پہنچنے کے لئے وہ مضبوط دیوار بن کر روکنے والی تھی.

بے ادب را اندریں رہ بار نیست　　جائے او بر دار شد دار نیست
از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم گشت از فضل رب

آپ کی استقامت کا دُر فرید بال سے زیادہ باریک راستہ میں آفتاب نصف النہار کی طرح ایسا چمکا کہ عالم نے دیکھ لیا...."[1] ع ا

یہ استدلال ذو الوجہین ہے[ا] تشدد و بے ادبی کا اقرار بھی ہے اور انکار بھی. ان تشبیہوں میں بھی مغالطہ ہے. امام صاحب اور ان کے شاگردوں کا اختلاف فقہی امور میں تھا اور ان کا اختلاف عقائد کے متعلق ہے. صحابہ رض کا مختلف الرائے ہونا ایک حقیقت یا منظر کو دو مختلف سمتوں سے معائنہ کرنے کی وجہ سے تھا. دونوں کے مشاہدات پر شبہ کیا جا سکتا ہے[گے] دونوں صحیح ہیں اسی وجہ سے ان کے اختلاف کو رحمت سے تعبیر کیا گیا! یہ اختلاف مناظر حقیقت کی لامحدود وسعت اور بے مثل خوبی کا اظہار ہے. یہ کہ کس صحابی کے مشاہدہ کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے یہ اپنے اپنے نقطۂ نظر پر منحصر ہے. مگر یہاں معاملہ دگرگوں

---

[1] امداد المشتاق صـ ۱۹۳ و ۱۹۴

ہے. حاجی صاحب رحمۃ نے اپنے خلفاء کے نقطۂ نظر کی ہمیشہ تاویل کی. ظن نیک سے کام لیا ان کو غلط نہیں کیا. مگر ان کے خلفاء نے حاجی صاحب رح کے نظریہ پر بڑا اعتراض کئے. اس اختلاف کے جواز میں مولوی اشرف صاحب نے کافی ثبوت فراہم کئے ہیں مگر ان میں تضاد ہے ان کے تمام دلائل منطقی ہیں. ان میں صلاحیتِ قلب و روح کا شائبہ بھی نہیں. درحقیقت حاجی صاحب نے واضح طور پر بتایا کہ "فقیر وہ ہے جو حنفی المذہب و صوفی المشرب ہو. جو کوئی اس سے تجاوز کرے گا میرے رابطہ و واسطہ سے اُسے کچھ حصہ نہ ملے گا. اور جو فقیر سے اخلاص رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ صوفی المشرب و حنفی المذہب ہو. غیر مقلد حدیث دانی اور اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں. حاشا و کلا حقانیت سے بہرہ نہیں رکھتے. لہٰذا وہ اہل حدیث کے زمرہ میں شامل نہیں ہوسکتے. بلکہ ایسے لوگ دین کے راہزن ہیں اُن کے اختلاط سے احتیاط چاہئیے"۔ؔ

اس بحث و استدلال پر توجہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ نزاعی مسائل کو سمجھ لیا جائے تاکہ ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہوسکے. چنانچہ ملاحظہ ہو. حاجی صاحب رحمۃ نے اپنی کتاب "ضیاء القلوب" میں ذکر و فکر اور اشغال مجاہدات کے طریقے لکھے ہیں تاکہ روحانیت کے مدارج آسانی سے طے کئے جاسکیں. مگر یہ حضرات ضیاء القلوب کو ماؤل سمجھتے ہیں. طریقت کا ہر سلسلہ مجاہدات کو لازمی و ضروری قرار دیتا ہے. مجاہدات کو ولایت علم

ؔ ملفوظات مُرتبہ محمد احسن صاحب صفحہ ۵

سے موسوم کیا ہے ہے۔ اب اگر ان صاحبان کو مجاہدات کے متعلق چون و چرا ہے تو اس کی وجہ وہی شرط ہو سکتی ہے جو پہلے ہی دن بیعت کے وقت مولوی رشید احمد صاحب نے پیش کی تھی کہ مجھ سے محنت و مجاہدات وغیرہ کچھ نہ ہو سکیں گے۔ یہ صاحبان تصور شیخ کو ناجائز اور بت پرستی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے خود اقرار کیا ہے کہ تین سال تک حاجی صاحب رح کا چہرہ پیش نظر رہا اور میں نے بغیر اس سے پوچھے ہوئے کوئی کام نہیں کیا۔ [1] اب مولوی اشرف علی صاحب نے قطعی طور پر اعلان کر دیا کہ چشتیوں میں تصور شیخ جائز نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی ذات کو کل چشتیوں سے موسوم کر دیا۔ انھیں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ تصور شیخ کو میں جائز نہیں سمجھتا اگرچہ چشتی جائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود کے یہ بالکل مخالف ہیں اور اس کو کفر و شرک خیال کرتے ہیں چونکہ یہ دیوبندی علماء طریقت کو علم معقول سے سمجھنے کے عادی ہیں اسلئے ایسا اختلاف وجود میں آنا ضروری تھا اور اس پر انھیں ناز ہے۔ شریعت کے جن مسائل میں ان کو اختلاف ہے وہ سات ہیں۔ ان میں سے پانچ عملی اور بقیہ دو علمی ہیں۔ وہ پانچ مسائل یہ ہیں۔ (۱) مولود شریف [2] (۲) عرس (۳) سماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعت ثانیہ۔ ان

---

[1] ارواح ثلثہ ص ۲۹۰

[2] حاجی صاحب مکہ معظمہ میں نہ صرف مولود شریف کرتے تھے بلکہ رجبی شریف کی محفل بھی منعقد کرتے تھے ان ہی کی تقلید میں یہاں الہ آباد میں شاہ محمد حسین الہ آبادی نے رجبی شریف کی مجلسوں کو رائج کیا تھا۔

(ماخوذ از سوانح حیات شاہ محمد حسین الہ آبادی)

امور کے متعلق جو رائے انھوں نے قائم کی اس سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ بہرحال اپنی اپنی نظر اور اپنی اپنی رائے ہے لیکن یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ ان فرعیات کو اصل اصول سے کہیں زیادہ اہمیت دی گئی اور اس طرح اس فخر و ناز سے ملت اسلامیہ میں تازہ فتنہ و فرقہ بندی کی بنیاد پڑ گئی۔ اب رہے دو علمی مسائل (۱) امکان نظیر (۲) امکان کذب تو یہ محض قیاسی وہمی و لاطائل مسائل ہیں جن کا حاصل حصول کچھ نہیں اور جن کو اغوائے شیطانی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بحث کی گئی ہے کہ اللہ جل شانہٗ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا نظیر پیدا کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ سرزد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ الحفظ للہ۔ اب اگر ان حضرات سے ایسے ہی لاطائل سوال کئے جائیں تو کیا جواب دیں گے آیا ایک مقدس و متبحر مولوی گناہ پہ قدرت رکھتا ہے یا نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جو حیّ و قیوم ہے اپنے مارنے اور خود کو فنا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ بہرحال یہ بحثیں الٰہیات و مابعد الطبیعات اور فقہی جزئیات کی ہیں ان بحثوں کا طریقت سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں اور شریعت بھی ان کی روادار نہیں ہو سکتی۔ جب ان مسائل کی یہی حقیقت ہے اور ان کی شریعت و طریقت میں کوئی اہمیت نہیں تو ملاحظہ طلب یہ ہے کہ ان حضرات نے مرشد سے اختلاف کر کے دین و دنیا میں کون سے چاند لگائے۔ یہ اختلاف غالباً ضد، خود نمائی اور خود ستائی پر مبنی ہے اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح طریقت کا امام حاجی صاحب رحؒ کو ہم تسلیم کرتے ہیں اسی طرح حاجی صاحبؒ فرعیات کا امام ہمیں مان لیں اور ہماری پیروی کریں۔ اس قسم کی ضد۔ خود نمائی اور پندار اہل طریقت قدم اول پر فنا کر دیتے ہیں۔ نفی نفس طریقت میں ضروری سمجھی گئی ہے تا کہ اس قسم

کے شیطانی وہم و وسوسے پیدا نہونے پائیں۔ یہ خلفاء جن فروعی عقائد پر نازاں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عملاً شاہ اسمٰعیل دہلوی کے متبع و مقلد تھے۔ ان میں نہ حاجی صاحبؒ کے عقائد پائے جاتے ہیں۔ نہ ان میں حاجی صاحبؒ کی تعلیم و تربیت و اشغال کی روح ملتی ہے اور نہ جذب و سلوک کے مراتب دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حضرات جب شاہ عبدالرحیم فاطمی ولایتی رح کو حضرت سید احمد صاحب کا خالص خلیفہ ثابت کرتے ہیں تو کیا وجہ کہ اپنے آپ کو نقشبندی نہیں کہتے اور صابری کیوں بنتے ہیں۔ واللہ اعلم

یہ مرثیہ یہیں ختم نہیں ہوتا آجکل ہر جگہ فیروزی و اکبری عہد سے زیادہ مذہبی بے حسی کا دور دورہ ہے۔ منم کی نمائش ہے۔ ذاتیات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور حقیقت و خودی مغلوب ہو چکی ہیں۔ اصلاح و تدبیر کی طرف توجہ کم ہے ہر شخص اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ و بالا سمجھتا ہے۔ یگانگت و اتحاد عنقا ہیں۔ عموماً تمامی مساعی جمیلہ جلسے و جلوس۔ احتجاج و فریاد اور چندے جمع کرنے پر ختم ہو جاتی ہے ~~ہیں~~ صابری تعلیم نے ظاہری لباس پہن کر فروغ حاصل کیا تھا۔ لیکن موجودہ نئے فیشن کی پوشاک اسے راس نہیں آئی۔ سماع جو چند شرائط کے ساتھ خلوت میں ہوتا تھا۔ اب آزادی اختیار کر کے مجلسی بن گیا ہے اکبر کے زمانہ میں وحدت الوجود کی جو گت بنی تھی وہی آجکل سماع کا حال ہے۔ یہاں تقریباً پچیس تیس صابری خانقاہیں ہیں وہ لکیر کو پیٹ رہی ہیں۔ اب ان کا مصرف وہ نہیں رہا جو کبھی تھا۔ حالانکہ دعویٰ وہی ہے۔ اس گری ہوئی حالت میں اگر اصل مقصد کے لئے متحدہ کوشش کی جائے ~~تو عرسوں کا اصل منشا بھی~~

تو کوئی وجہ نہیں کہ اتحاد و تاثیر نہو ۔ بہر حال
رحمت حق بہانہ می جوید

خلاصہ

۱۔ سلسلہ صابری اپنے دوسرے خلیفہ حضرت کبیر الاولیاء تک نقاب پوش رہا۔

۲۔ جب سہروردیوں اور نظامیوں میں اختلاف ہوا تو تیسرے خلیفہ شیخ العالم حضرت احمد عبدالحق ردولوی رح نے نقاب الٹ دی اور صابری تعلیم کی علانیہ تبلیغ کی۔ اور یہی حضرت صابری سلسلہ کے مجدد ہیں۔

۳۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح نے جدید طرز تعلیم کی بہترین طریقہ سے اشاعت کی اور معقولات کی وجہ سے تصوف کی جو مخالفت کی جاتی تھی اس کا دفعیہ بڑے کمال سے کیا۔

۴۔ شیخ گنگوہی رح کے اس مقولہ کے کہ "من ایں سلسلہ را رنگ دیگر دادہ ام" کے یہ معنی نہیں کہ جلال و جمال میں اعتدال پیدا کیا بلکہ یہ معنی ہیں امراء سے ربط و ضبط میں مبالغہ کیا اور تعلیم وحدت الوجود کو عام کیا۔ مگر ان کے خلفاء نے امراء سے تعلقات نہیں بڑھائے۔ اور چشتیوں کی قدیمی روش اختیار کی۔

۵۔ شیخ گنگوہی رح کے بعد مرکزیت جاتی رہی تھی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح نے مرکزیت کو جاری کرنا چاہا مگر ان کے خلفاء نے اس کو پھر ختم کر دیا۔

۶۔ حاجی امداد اللہ رح کے بعض خلفاء نے بعض مسائل میں اختلاف کیا پھر اس کے متعلق انھوں نے جب حاجی صاحب سے استفسار کیا تو حاجی صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ کے اختلافات کی مجھے خبر نہیں۔ نہ آپ کی تحریریں میری نظر سے گذریں اور نہ میں نے ان کے متعلق تفتیش کی۔

۷۔ جب فیصلہ ہفت مسئلہ لکھ کر بھیجا تو حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ حضرت محمد حسین الہ آبادی رح سے دریافت کیا تھا کہ خلفاء نے دیوبند نے اس کو کس نظر سے دیکھا۔ آیا پسند کیا یا نہیں

۸ — جملہ سلاسل سے پیشتر بیرون ہند سلسلہ کی اشاعت حضرت نظام الدین بلخی رح اور شاہ محمد نبی امروہوی نے کی اور سلسلہ صابری کو مقبول بنایا۔

۹ — اپنے قیام الہ آباد میں شہزادہ دارا شکوہ حضرت محب اللہ الہ آبادی سے مستفیض ہوا تھا اور اس کا ذکر اس نے سفینۃ الاولیاء میں کیا ہے

۱۰ — شاہ عضد الدین امروہوی رح نے شاہی عطیات قبول نہیں کئے اور لودیوں کی معزولی کی پیشین گوئی کی۔

۱۱ — عبدالرحیم فاطمی رح شاہ عبدالباری امروہوی رح کے خلیفہ تھے لہٰذا اختلاف کرنے والے خلفائے حاجی امداد اللہ رح کا دعویٰ کہ حضرت فاطمی رح حضرت سید احمد رائے بریلوی کے خلیفہ تھے صریحاً غلط ہے۔

۱۲ — حاجی امداد اللہ رح کے اختلاف کرنے والے خلفاء کا طرز عمل اسمٰعیلیہ و نجدیہ سے ملتا جلتا ہے۔ صابری تعلیم و تربیت کی روح ان میں نہیں پائی جاتی

شجرۂ صابری

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر رح

حضرت جمال الدین ہانسوی رح | ۱. حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر رح | حضرت سلطان المشائخ پیر نظام الدین بدایونی ثم دہلوی

۲. حضرت شمس الدین پانی پتی رح

۳. حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی رح

خواجہ شبلی | ۴. حضرت شیخ العالم احمد عبدالحق ردولوی رح | شیخ نظام نائی | شیخ برودی

شیخ بختیار رح | شیخ جان جونپوری رح | ۵ حضرت شیخ محمد عارف ردولوی رح | عبدالغفور اعظم گڈھی رح

۶. حضرت شیخ محمد ردولوی رح

(ان بزرگوں سے اگر سلسلہ چلا ہے تو ان کے خلفاء کے نام و پتے مطلوب ہیں

شیخ بدھا رح سے — ۷۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح — شیخ رکن الدین

شیخ عبدالاحد (والد جناب مجدد سرہندی رح)

۸ حضرت جلال الدین تھانیسری رح

۹۔ حضرت خواجہ نظام الدین بلخی رح

۱۰۔ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی رح

شیخ محمد صادق گنگوہی رح — ابراہیم رامپوری رح — ۱۱۔ حضرت محب اللہ الہ آبادی رح — ابراہیم پانی پتی — شاہ درگاہی لامھوری

شیخ محمد صادق گنگوہی رح:
- شیخ محمد
  - غریب اللہ غریب نواز رح
  - شیخ محمد اعظم دنبوی رح
  - شاہ محمد جان دنبوی رح
  - غلام علی شاہ رح
- شیخ داؤد گنگوہی
  - عبدالجلیل الہ آبادی
  - شاہ ابوالمعالی رح
  - میران بھیک رح
  - شاہ عنایت علی رح
  - شیخ عبدالکریم تا فقیر محمد صاحب

سید محمد دہلوی رح
- سید نصیر الدین
- سید غلام سادات علی رح
- تا فقیر رح

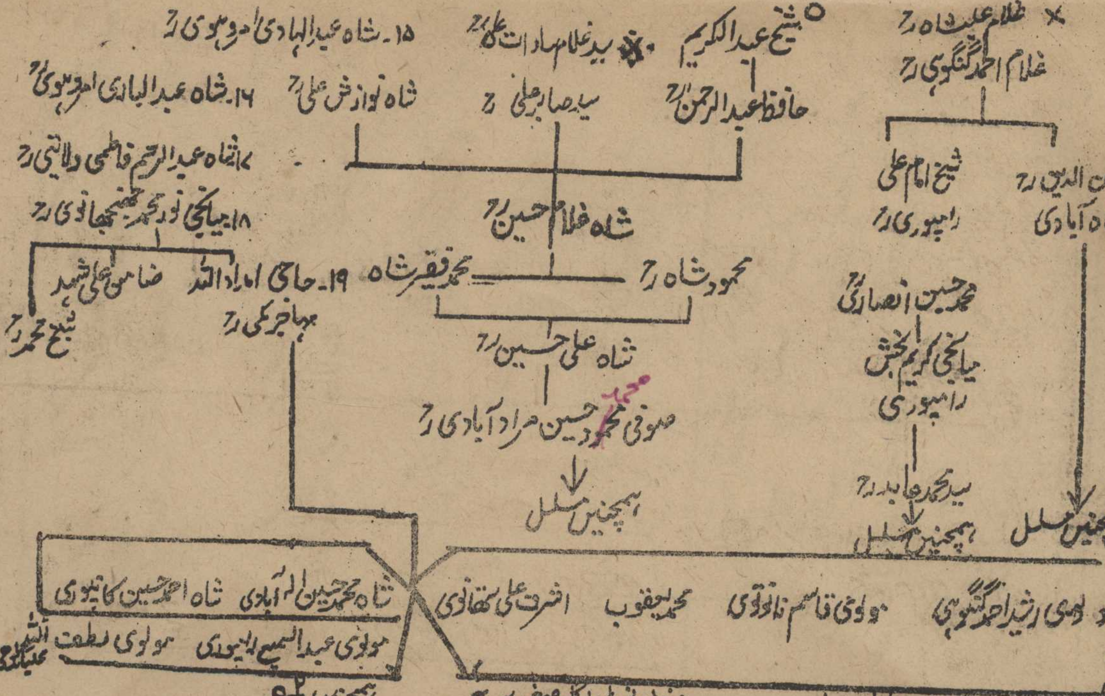
۱۲۔ شاہ محمدی امروہوی رح

۱۳۔ شاہ محمد مکی رح

۱۴۔ شاہ عضد الدین امروہوی رح

۱۵۔ شاہ عبدالہادی امروہوی رح

(ان بزرگوں سے اگر سلسلہ چلا ہے تو ان کے نام دیتے مطلوب ہیں)



(فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

لہ حاجی صاحب کو ان کے پیر و مرشد ... حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی ...

... شاہ عبدالرحیم فاطمی کو سید احمد رائے بریلوی کا خالص خلیفہ مانتے ہیں۔

مولوی وحید احمد صاحب مسعود کی تصانیف

جمال صابر کلیری شریعت اور طریقت کی روشنی میں تحقیقی حالات قیمت ۱/-

محبت کی بلندیاں ۔ اسلامی تاریخ کا ایک سچا ڈرامہ
قیمت ۱/-

گردِ راہ ۔ سیاسی و ادبی مضامین کا بے نظیر مجموعہ
قیمت ۳/-

جمال الدین مونس نے نظامی پریس بدایوں میں چھاپ کر شائع کیا۔

صحت نامہ صابری سلسلہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	آنچہ	اُنچہ	۱۲	۱۹	شکر	شُکر
۴	۸	دوبار	دربار	۱۳	۲	عظائم	عزائم
۵	۱۳	قصص عجیبہ	قصص عجیبہ	۱۴	۴	پڑھا لکھا تھا	پڑھا لکھا نہ تھا
-	۱۴	غربیہ	غریبہ	-	۱۴	ابوالفضل فیضی	ابوالفضل و فیضی
-	۱۵	اسرائیلی	اسرائیلی	-	۱۶	حاصل	حاصل
-	۱۷	ملت	مُدت میں	-	۱۹	بلکہ	یا
۷	۹	علاطم	طلاطم	۱۶	۵	ردولوی	گنگوہی
۸	۴	ہوئی	ہوئیں	۱۶	۱۶	لاس	کے
-	۸	یدادن	یدایوں	۱۷	۱۰	گل	کُل
-	۱۳	نرم	بزم	-	۱۸	مکملہ	تکملہ
-	۱۴	غلہ	عہد	۱۹	۱۱	. زندگی	زندگی میں
-	۱۶	غرض اللہ	عزیز اللہ	۲۰	۶	وحدت اوجود	وحدت الوجود
-	۱۶	لمان	ملتان	-	۷	وحدت الوجود سے	وحدت الوجود سے
۹	۴	ردودی	ردولوی	۲۲	۹	انوالعیبون	انوارالعیون
—	۶	فال	قال	-	۱۱	باغیون	یافیون
۱۰	۱۶	تعلیم کو	تعلیم کی	۲۴	۱۸	حالت	حیات
۱۲	۱۸	شیخ	است	۲۵	۶	مذمت	خدمت
-	۱۸	فرع	فروع	۳۴	۱۴	ستحق	مستحق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴	۱۴	ڈوبارہ	ڈوبا	۵۰	۴	تھا وہ	تھا
۳۶	۶	کے	×		۱۴	ہر دونون ہے	مگر دونوں
—	۷	عبدالباری اور	عبدالباری	۵۲	۱	موصوم	موسوم
۳۹	۱۰	عبدالباری اور	عبدالباری سے	۵۲	۱۳	جاتی ہے	جاتی ہیں
۴۱	۷	خوابو	خوابوں	—	۱۹	تو عرس کا اہل تشابہی	تو کوئی وجہ نہیں کہ اتحاد اور تاثیر نہ ہو بہر حال رحمت حق بہانہ می جوید
۴۲	۱۷	عبدالقدیر	عبدالعزیز				
۴۳	۱	سے	ہے				
۴۴	۱۱	فیض الاکابر	قصص الاکابر				
۴۶	۱۸	وفیصلہ حقیقت	بفیصلۂ ہفت				
۴۷	۱۸	(دیوبند وغیرہ)	(دیوبند وغیرہ میں)	۵۸	۱	شیخ بدھا	شیخ بڈھا
—	۱۴	نہیں کیا اللہ	نہیں آیا البتہ	۵۹	۷	صوفی محمود حسین	صوفی محمد حسین